

کلیات اکبرالہ آبادی

از

اکبرالہ آبادی

حصہ دوم

قطعات

جلوۂ دربار دہلی
 سر میں شوق کا سودا دیکھا
 دہلی کو ہم نے بھی جا دیکھا
 جو کچھ دیکھا اچھا دیکھا
 کیا بتلائیں کیا کیا دیکھا



انظم ہے مجھ کو بادہ صافی
 شغل یہی ہے دل کو کافی
 مانگتا ہوں یاروں سے معافی
 خیر اب دیکھئے لطف توانی



جہنا جی کے پاٹ کو دیکھا
 اچھے ستھرے گھاٹ کو دیکھا
 سب سے اونچے لاٹ کو دیکھا
 حضرت ڈیوک کنناٹ کو دیکھا



پلٹن اور رسالے دیکھے
 گورے دیکھے کالے دیکھے
 سنگینیں اور بھالے دیکھے

بینڈ بجانے والے دیکھے



خیموں کا اک جنگل دیکھا

اس جنگل میں منگل دیکھا

برہما اور ورنگل دیکھا

عزت خواہوں کا رنگل دیکھا



سڑکیں تھیں ہر کیپ سے جاری

پانی تھا ہر پپ سے جاری

نور کی موجیں لپ سے جاری

تیزی تھی ہر جمپ سے جاری



کچھ چہروں پر مردی دیکھی

کچھ چہروں پر زردی دیکھی

اچھی خاصی سردی دیکھی

دل نے جو حالت کر دی دیکھی



ڈالی میں نارنگی دیکھی

محفل میں سارنگی دیکھی

بیرنگی بارنگی دیکھی

دھر کی رنگا رنگی دیکھی



اچھے اچھوں کو بھٹکا دیکھا

بھیڑ میں کھاتے جھٹکا دیکھا

منہ کو اگرچہ لٹکا دیکھا

دل دربار سے اٹکا دیکھا



ہاتھی دیکھے بھاری بھر کم

ان کا چلنا کم کم بھتم بھتم

زریں جھولیں نور کا عالم

میلوں تک وہ چم چم چم چم



پہلوئے مسجد جامع

روشنیاں تھیں ہر سو لامع

کوئی نہیں تھا کسی کا سامع

سب کے سب تھے دید کے طامع



سرخ سڑک پر کتنی دیکھی

سانس بھی بھیڑ میں گھٹتی دیکھی

آتش بازی بازی چھٹتی دیکھی

لطف کی دولت لیتی دیکھی



چوکی اک چوکی دیکھی

خوب ہی چکھی پکھی دیکھی

ہر سو نعمت رکھی دیکھی

شہد اور دودھ کی مکھی دیکھی



ایک کا حصہ من و سلوا

ایک کا حصہ تھوڑا حلوا

ایک کا حصہ بھیلر اور بلوا

میرا حصہ دور کا جلا



اونج برٹش راج کا دیکھا

پر تو تخت و تاج کا دیکھا

رنگ زمانہ آج کا دیکھا

رخ کرزن مہراج کا دیکھا



پہنچے پھاند کے سات سمندر

تحت میں ان کے بیسیوں بندر

حکمت و دانش ان کے اندر

اپنی جگہ ہر ایک سکندر



اوج بخت ملائی ان کا
چرخ ہفت طبائی ان کا
محفل ان کی ساقی ان کا
آنکھیں میری باقی ان کا



ہم تو ان کے خیر طلب ہیں
ہم کیا ایسے ہی سب کے سب ہیں
ان کے راج کے عمدہ ڈھب ہیں
سب سامان عیش و طرب ہیں



آگزیپشن کی شان انوکھی
ہر شے عمدہ ہر شے چوکھی
افلیس کی ناپی جوکھی
من بھر سونے کی لاگت سوکھی



جشن عظیم اس سال ہوا ہے
شاہی فورٹ میں ہال ہوا ہے
روشن ہر اک ہال ہوا ہے

قصہ ماضی حال ہوا ہے



ہے مشہور کوچہ و برزن
ہال میں ناچیں لیڈی کرزن
طار ہوش تھے سب کے پرزن
رشتک سے دیکھ رہی تھی ہرزن



ہال میں چمکیں آکے یکا یک
زریں تھی پوشک جھکا جھک
محو تھا ان کا اوج سما تک
چرخ پہ زہرہ ان کی تھی گاہک



گو رقاصہ اوج نلک تھی
اس میں کہاں یہ نوک پلک تھی
اندر کی محفل کی جھلک تھی
بزم عشرت صبح تلک تھی



کی ہے یہ بندش ذہن رسا نے
کوئی مانے خواہ نہ مانے
سنتے ہیں ہم تو یہ افسا نے

جس نے دیکھا ہو وہ جانے



خدا جانے کہا کس نے یہ کس دن عقل مسلم سے
کہ مشرق کو نظر آتا نہیں مغرب سے چھٹکارا
گئی دنیا تو پھر ہم دین کو اب کیوں لگا رکھیں
برا معلوم ہوتا ہے مسائل کا یہ پشتارا
مضر ہیں مذہبی قیدیں مناسب ہے شکست ان کی
مزاحم ہیں مگر یہ مولوی ان کا نہیں چارا
وہ چھینٹے دیجئے ان کو حکیمانہ طریقوں سے
کہ بچھ کر راکھ ہی ہو جائے مذہب کا یہ انگارا
چلے مقراض تدبیر ایسے پیچیدہ طریقوں سے
کہ جڑ کٹ جائے مذہب کی یہ گھر ہو منہدم سارا
عمل جاتا رہے بالکل فقط الفاظ رہ جائیں
انہیں بھی پست کر دے مغربی حکمت کا نقارا
ترقی پائے گئی قوم آپ کی پھر دور گروں میں
عجب کیا ہے کہ پھر بنے لگے اقبال کا دھارا
قیامت کر گئی قومی ترقی گوش مسلم میں
لگا کہنے رہے نعمت اگر حاصل شود مارا
اگر آں شاہد مغرب بدست آرد دل مارا
پچشم مست او بخشم تسبیح و مصلیٰ را

مصلے کو غرض یہ کر کے اٹھا عابد مشرق
 جو طاقت آگئی تھی دل میں اس طاقت سے للکارا
 ادھر تحریر ادھر اسٹیج ادھر سازش ادھر بندش
 اسے جھڑکا اسے ڈانٹا اسے گانٹھا اسے مارا
 نتائج پر نظر کب مرد عاشق تن کی ہوتی ہے
 وہ سمجھے ہیں نئی ایک قوم کا بن جاؤں گا دارا
 دو روزہ پالیسی نے اس طرف سے تقویت دے دی
 ادھر بجنے لگا فتح و ظفر کا پھر تو نفارا
 ڈنر، عہدے، قبسم، مشورے وعدے بنے گیسو
 وہ گیسو جس سے پھیلی ہوئے مست خبر سارا
 حواس ظاہری کے دام سے بچنا ہوا مشکل
 کجا موہوم حوریں اور کجا پریوں کا نظارا
 وہ ٹوٹے یہ گرے وہ پھسلے یہ چت ان کو غش آیا
 نہ ایماں میں رہی طاقت نہ دل میں ضبط کا یارا
 حریفان طرب آگئیں نے چھیڑا سازِ عشرت کو
 بجایا سب نے مضرب ہوس سے دارادا دارا
 بتوں کے عشق میں پڑ ہی چکے تھے عقل پر پتھر
 مسوں کا بے تکلف چڑھ گیا ہر قلب پر پارا
 غریبوں درد مندوں بے کسوں کے دل کی کیا ہستی
 وہ حالت پیش آئی تھی کہ جس سے موم ہو خارا
 نہ حالی کی مناجاتوں کی پروا کی زمانے نے

نہ اکبر کی ظرافت سے رکے یاراں خود آرا
 زبان حال سے فریاد تھی یہ اہل تمکیں کی
 کہ اے نظم جہاں را حافظ دے عرش را دارا
 نغاں زیں سحر فن دلکش مسان آفتِ ایماں
 چناں بروند صبر از دل کہ ترکاں خوان ینمارا
 ہوا سب کو تعجب کیوں ہوئیں یہ حالتیں پیدا
 نہ تھا یہ مطلب سید کہ اس رخ پر چلے دھارا
 وہ پردے کے بڑے حامی تھے طاعت کے ہوید تھے
 وہ خواہاں تھے کہ چمکے اوج پر اسلام کا تارا
 حباب آسا جو آسانی سے ٹوٹا گنبد مذہب
 تو کیا اقبال و عزت کا ادھر بنے لگا دھارا
 سنا سب کچھ مگر دیکھا جو بالآخر تو کیا دیکھا
 وہی اینٹیں وہی پتھر وہی چونا وہی گارا
 ادھر شیرازہ قومی کو ہم ہیں توڑتے جاتے
 ادھر بازی حریفوں کی ہے ہاتھ ان کے ہے پوہارا
 نتیجے ہم نے خود آنکھوں سے دیکھے روز روشن میں
 فلک نے سرکشوں کو خاک ناکامی پہ دے مارا
 کہیں تختیر مذہب کی کوئی تعظیم کرتا ہے
 بجھا کر دورِ دل کو کب ہے چمکا بخت کا تارا
 بہت ہے غفلت و ترک عمل دنیا میں یہ مانا
 عقیدہ اصل ہے لیکن وہ ہونا چاہیے پیارا

مدار خیر خواہی ترک مذہب پر نہیں ہرگز
 ہر اک نے دل سے انگش کی ہے لالٹی ۲۲ کا دم مارا
 نہ تھا یہ مطلب سارہ کہ اسماعیل کافر ہو
 حریفانہ نہ ہو انداز مطلب تھا یہی سارا
 جب اپنی ہسٹری ہم بھول جائیں گے تو کیا ہوگا
 خدا را اک نظر اس سین کا کرتے تو نظارہ
 صلوٰۃ بے وضو سے رو رہی ہے اس طرف مسجد
 ادھر قرآن بے رغبت سے دل مذہب کا سی پارہ
 مشینیں چل رہی ہیں اور کسی کی کچھ نہیں چلتی
 ادھر ہیں بے چھلے کندے ادھر ہے برق و ش آرا
 خود اپنی قوم کی تحقیر کرنا اس کے کیا معنی
 یہ کس جادو نے بچوں کو کیا خود بین و خود آرا
 کہیں اطفال نادان ہیں کہیں پیران بے طاقت
 یہ غوطے کھاتے ہیں فقرے میں آتا ہے وہ بیچارا
 یہ اخلاقی یہ روحانی بنائیں ٹوٹتی کیوں ہیں
 یہ نفس مطمئنہ پر ہوا کیوں غالب امدار
 یہ کس کل کے بنیں گے جزو کھو کر اپنی ملت کو
 مگر ہاں اپنے بیلوں میں ملا لے کوئی بھارا
 ہمارے حکمران تو چرچ میں سرگرم طاعت ہوں
 تو ہم بندے پھریں کیوں دشت بے دینی میں آوارا
 عمل مطلوب ہے بیشک مگر نور اپنا کیوں کھوئیں

زمانے کو ہے گردش ہم نہیں ثابت سے سیرا
 ہو الاول ہو الاخر یہ شہد روح پرور ہے
 پھر و آزاد ہو کر یہ ہے بالو کا شکر پارا
 بٹھایا کیوں نہیں جاتا یہ نقش جانفزا دل پر
 کہ روحانی ترقی میں ہو لڑکا عرش کا تارا
 بہت فکر اس کی ہے دن رات گو قومی بزرگوں کو
 مگر کمزور یہ موجیں ادھر غفلت کا ہے دھارا
 میں یہ پیچیدہ بجشیں پیش کرنے کو تھا آمادہ
 کہ اتنے میں جناب حضرت حافظ نے للکارا
 حدیث از مطرب دے گو دراز دھر کمتر جو
 کہ کس نکشو دو نکشاید حکمت ایں معمرا



قدیم وضع پہ قائم رہوں اگر اکبر
 تو صاف کہتے ہیں سید یہ رنگ ہے میا
 جدید طرز اگر اختیار کرتا ہوں
 خود اپنی قوم مچائی ہے شور و واویلا
 جو اعتدل کی کہینے تو وہ ادھر نہ ادھر
 زیادہ حد سے دیئے سب نے پاؤں میں پھیلا
 ادھر یہ ضد ہے کہ لیمنڈ بھی چھو نہیں سکتے
 ادھر یہ دھن ہے کہ ساقی صراحی مے لا

ادھر ہے دفتر تدبیر و مصلحت ناپاک
 ادھر ہے وحی ولایت کی ڈاک کا تھیلا
 غرض دو گو نہ عذاب است جانِ مجنوں را
 بلائے صحبت لیلیٰ و فرقت لیلیٰ



یہ تسبیح و تکبیر و حمد و دعا
 ہے نورِ دلِ بندگانِ خدا
 یہ پلٹن کے گورے ہر اتوار کو
 سجاتے ہیں گرجا کے دربار کو
 اگر یہ کہو ہیں وہ بالکل و حوش
 تو دیکھو کہ عابد ہیں حضرت لیٹوش ۲۳۔
 جب اڈورڈ ہفتم ہوئے تھے علیل
 تو کی قوم نے یادِ ربِ جلیل
 کی کی نہ اسٹیٹ نے خرچ میں
 دعائیں ہوئیں دھوم سے جہج میں
 وہ جنرل کو دیتی تھی جن سے زمین
 ہیں گرجا میں راکع مع الراحین
 ہوئے جنگ سے زار اندیشہ ناک
 گرے سجدے میں پیش اللہ پاک
 سر بادشاہان گردن فراز

بدرگاہ او بر زمین نیاز



ہم نشیں کہتا ہے کچھ پروا نہیں مذہب گیا
میں یہ کہتا ہوں کہ بھائی یہ گیا تو سب گیا
میشل فیلنگ تو ہم میں کبھی تھی ہی نہیں
اتحاد دیں فقط باقی رہا تھا اب گیا
ہے عقیدوں کا اثر اخلاق انسان پر ضرور
اس جگہ کیا چیز ہوگی وہ اثر جب دب گیا
پیٹ میں کھانا زباں پر کچھ مسائل ناتمام
قوم کے معنی گئے اور روح کا مطلب گیا
مقلب ہوتے ہیں پیہم طالب العلموں کے کورس
کورس بھی رخصت ہوا اس کا زمانہ جب گیا
اتحاد معنوی ان میں برائے نام ہے
دیکھتے ہو اک گروہ اک راہ ہو کر کب گیا
بعد ازیں کیا حشر ہوگا یہ تو سوچو دوستو
جو اٹھا بہر ہلاک ملت و مشرب گیا
اس سے نفرت ان کو ایسی مستقل تازی زباں
حیف مسلم سے خیال مبنی و معرب گیا
مجلس دنیا میں کس صف کے بنو گے مستحق
دور ہو اولارڈ ارو پر تو یا رب گیا

نوکری کے باب میں وہ پالیسی قائم نہیں
ہوش میں آؤ وہ رنگ روز و رنگ شب گیا
ہم بھی کہتے ہیں صاحب سوچ و انجام کار
دوسرا پھر کیا ٹھکانا ہے اگر مذہب گیا



اک لعبت چیں کولندن سے جو بیاہ کے لائے مفاعیلین
احباب نے تیر مطاعن سے ان کے دل کو مجروح کیا
باپ ان کے یہ بولے کشتی مری واللہ ڈیو دی ہائے غضب
اس لڑکے نے صحبت بد پاکریہ کا راہن نوح کیا
تعلیم کو میں نے بھیجا تھا تزویج کی اس نے ٹھہرائی
ممدوح تو بننا بھول گیا بس اپنے تئیں منکوح کیا
لڑکے نے جواب میں عرض کیا اے قبلہ و کعبہ منئے تو
یہ کون برائی میں نے کی جو فاتح کو مفتوح کیا



مسان خود فروش آخر فرستادہ ایں پہلا
طلب کروند زر چنداں کہ خوں افتاد در ولہا
نشاط طبع برہم شد شکست آں رنگ مٹھلا
الایا ایہا الساتی اور کا ساونا ولہا
کہ عشق آساں نمود اول ولے افتاد مشکلا
ادھر بے علم دیں ہے نور ایماں قلب سے زائل

ادھر کالج کا بیڑا پار کرنے پر ہے دل مائل
 ادھر ہے نوکری دشوار چکر میں ہے ہر سائل
 شب تاریک و بیم موج و گرداب چنینی حائل
 کجا دانند حال ما سبکسا ران ساحلہا
 نہ قید شرع باقی ہے نہ آزادی کی ہے کچھ حد
 نہیں کچھ گفتگو اس باب میں یہ نیک ہے یا بد
 بزرگوں کا بھی فتویٰ ہے کہ پڑھ قانون سرسیدؒ
 بھی سجادہ رنگیں کن گرت پیر مغاں گوید
 کہ سالک بے خبر نبودز راہ و رسم منزلہا
 کہاں کی پیش بینی جب طبیعت ہی نہ تھی حاضر
 متیم دیر تھے دلچسپ تھی بزم بت کافر
 نہ تھا کچھ پاس ایماں دل کی تھی مد نظر خاطر
 ہمہ کارم زخود کامی بہ بدنای کشید آخر
 نہاں کے ماند آں رازے کزو سازند مخملہا
 جو ہونا چاہتا ہے بدر بن جا ماہ نو حافظ
 نہ کر آرام رہ راہ طلب میں تیز رو حافظ
 لگائے راہ اسی سے رات دن تو اپنی لو حافظ
 حسیوری گرہمی خواہی ازو غافل مشورہ حافظ
 متی مایلق من تہوی درع الدنیا و اہملہا



آئینہ لفظِ خدا ہے بیسیوں مفہوم کا
 اور ازاں جملہ مرادف ہے یہ نا معلوم کا
 سب کا حصہ قوت و حالت کے لائق ہے یہاں
 بس یہی مطلب تو ہے اے مہرباں مقسوم کا



پیرو مرشد نے کیا قوم میں بچپن پیدا
 وہ یہ سمجھے تھے کہ ہو جائے گا جو بن پیدا
 وہ تو پیدا نہ ہوا ہاتھ سے لڑکوں کے مگر
 ہو چلے دین کی دیوار میں روزن پیدا
 پستی قوم کے جب آگئے دن اے اکبر
 اونچے درجوں میں ہوئے عقل کے دشمن پیدا
 دین کیا چیز ہے شیرازہ قومی ہے فقط
 جس سے ملت کی ہے اک صورتِ احسن پیدا
 آج ہوتا نہیں اس کا ضرر ان کو محسوس
 ہو رہے ہیں ابھی کچھ لالہ و سوسن پیدا
 بالیقین آئے گا اس باغ پہ ایسا اک وقت
 کر چلیں گی روشیں نشتر و سوزن پیدا
 صورتِ برگ خزاں سے ہوگی جو حیت زائل
 ہوں گے اطفال بھی بے غیرت و کودن پیدا
 کاہ کی طرح سے اڑ جائیں گے دینی اعمال

اختلافات کے ہو جائیں گے خرمن پیدا
 ظلمت جہل سے گھر جائیں گے دل کے اطراف
 سینوں میں ہو نہ سکیں گے دل روشن پیدا
 کون کہتا ہے کہ انگش کا نہ ہو دل سے مطیع
 کون کہتا ہے نہ کر الفت ولسن پیدا
 کون کہتا ہے تکلف سے نہ کر زبیت بسر
 کون کہتا ہے نہ کر وضع میں جو بن پیدا
 کون کہتا ہے کہ تو علم نہ پڑھ عقل نہ سیکھ
 کون کہتا ہے نہ کر حسرت لندن پیدا
 بس یہ کہتا ہوں کہ ملت کے معافی کو نہ بھول
 راہ قومی کا تو خود ہی نہ ہو رہزن پیدا
 قوم قوم آٹھ پہر سنتے ہیں ہم قوم کہاں
 نار باقی نہیں تو کرتا ہے دامن پیدا
 مذہبی شاخ فقط ہے تری قومی سہتی
 یہ جو ٹوٹی تو نہیں کوئی نیشن پیدا
 کچھ گھروندا نہیں نیشن کہ بنالیں لڑکے
 فطرتی طور پہ خود ہوتی ہے نیشن پیدا
 سلف رسکٹ کا پھر یاد رہے گا نہ سبق
 پھر نہیں ہونے کی یہ بحث تو دمن پیدا
 بزم تہذیب سے ہو جائیں گے قطعاً خارج
 حس ہی باقی نہ رہے گا کہ ہوشیوں پیدا



بے شک نئی روشنی سے بہتر ہے کہیں
انسان کے لیے کرچین ہو جانا
یزداں کا خیال تو دلاتا ہے وہ دیں
ہے کفر صریح اہر من ہو جانا
مرشد کہتے ہیں تو ہے ناداں اے دوست
بات اور ہے صاحب سخن ہو جانا
میری چالیں بھی ہیں اس کی تمہید
سکھلاتے ہیں پہلے بے دہن ہو جانا
ساکت کر دے گی ان کو جب بے علمی
آسان ہوگا ادھر وطن ہو جانا



سید سے آج حضرت واعظ نے یہ کہا
چرچا ہے جا بجا ترے حال تباہ کا ۲۵۔
سمجھا ہے تو نے نیچر و تدبیر کو خدا
دل میں ذرا اثر نہ رہا لا الہ کا
ہے تجھ سے ترک صوم و صلوٰۃ و زکوٰۃ و حج
کچھ ڈر نہیں جناب رسالت پناہ ﷺ کا
شیطان نے دکھا کے جمال عروسِ دہر
بندہ بنا دیا ہے تجھے حبِ جاہ کا

اس نے دیا جواب کہ مذہب ہو یا رواج
 راحت میں جو نخل ہو وہ کاٹا ہے راہ کا
 افسوس ہے کہ آپ ہیں دنیا سے بے خبر
 کیا جانے جو رنگ ہے شام و پگاہ کا
 یورپ کا پیش آئے اگر آپ کو سفر
 گذرے نظر سے حال رعایا و شاہ کا
 وہ آب و تاب و شوکت ایوان خسروی
 وہ محکموں کی شان وہ جلوہ سپاہ کا
 آئے نظر علوم جدیدہ کی روشنی
 جس سے نخل ہو نور رخ مہر و ماہ کا
 دعوت کسی امیر کے گھر میں ہو آپ کی
 کمسن مسوں سے ذکر ہو الفت کا چاہ کا
 نوخیز و فریب گل اندام نازنین
 عارض پہ جن کے بار ہو دامن نگاہ کا
 رکھے اگر تو نس کے کہے اک بت حسین
 دل مولوی یہ بات نہیں ہے گناہ کا
 اس وقت قبلہ جھک کے کروں آپ کو سلام
 پھر نام بھی حضور جو لیں خانقاہ کا
 پتلون و کوٹ و بگلہ و بسکت کی دھن بندھے
 سودا جناب کو بھی ہوڑ کی کلاہ کا
 منبر پہ یوں تو بیٹھ کے گوشہ میں اے جناب

سب جانتے ہیں وعظ ثواب و گناہ کا



گرمی بحث میں انور نے یہ اکبر سے کہا
کہ رہ احمد علیؑ مرسل پہ تو قائم نہ رہا
رہ گئی ہے فقط اوہام پرستی تجھ میں
بادۂ جہل کی بس آگئی مستی تجھ میں
نہ مقاصد میں بلندی نہ خیالات صحیح
بحر عصیان و تعصب میں تو ڈوبا ہے صریح
سخت ناعاقبت اندیش ہیں شیخ و ملا
قوم برباد ہوئی جاتی ہے کھلم کھلا
کہا اکبر نے یہ الزام ہے بے شبہ درست
تو ہے مجھ سے بھی زیادہ مگر اس راہ میں ست
کبر و تزئین و تجمل سے تجھے ہے بس کام
دل میں انکار ہے اور لب پہ ہے نام اسلام
طاعت حق کی ترے قافلہ میں گرد نہیں
نفس سرد نہیں ہے دل پر درد نہیں
ہم اگر پختگی سے جاتے ہیں خامی کی طرف
تیرا میلان ہے الحاد و غامی کی طرف
تو بھی اس رنگ سے محروم ہے ہم بھی محروم
صادق آتا ہے یہی قول شہید مرحوم

اے صبا مایہ سودا نہ تو داری و نہ من
بہوئے آں زلفِ چلیپا نہ تو داری و نہ من

☆☆☆

نامہ بنام اودھ پنچ ۷۷۸ء

اے	گوہر	مخزن	ظرافت
وے	جوہر	معدن	لطافت
سرمایہ	انبساط	خاطر	
تسکین	دل	و نشاط	خاطر
دیباچہ	دفتر	فصاحت	
عنوان	صحیفہ	بلاغت	
خلاق	معانی	طرب	خیز
کشاف	رموز	عشرت	انگیز
ہادی	و ادیب	و دانش	آموز
گوہر	افشاں	و گوہر	اندوز
زمینت	وہ	شاہد	تکلم
آئینہ	خندہ	و	تبسم
سرچشمہ	قول	و وعظ	و گفتار
گنجینہ	وعظ	و پند	اسرار
اے	نخردہ	زبان	اردو
وے	اوج	و نشان	اردو
زمینی	میں	غیرت	گلستان
شوخی	میں	حریف	برق تاباں
کیا	خوب	ہے نسخہ	اودھ پنچ

محبوب ہے نسیم اودھ شیخ
 دن رات یہی ہیں اب تو چرچے
 پرچاتے ہیں دل کو اس کے پرچے
 ہے خلق خدا قاتل اس کی
 حاسد کا حسد دلیل اس کی
 معقول مزاح ہے تو یہ ہے
 شرعاً جو مباح ہے تو یہ ہے
 ہر چند کہ زجر بیشتر ہے
 گو فقرہ طعن بیشتر ہے
 لیکن وہ قدم میں گھلا ہے
 یہ آب حیات میں بجھا ہے
 وہ شربت حفظ عقل و ایمان
 یہ مردہ دلوں کو ہے رگ جاں
 بگڑے ہوئے بن گئے ہنسی میں
 حکمت ہے تو ایسی دل لگی میں
 ہر کس کہ بدید گفت خواب است
 باللہ مفرح القلوب است
 رندوں کی زباں میں چند دل خواہ
 سبحان اللہ واہ واہ
 ہر چند کہ طرز شیخ لندن
 بے شبہ ہے دل پسند و پر فن

لیکن	وہ	نقش	اولیں	ہے
نسبت	اس	سے	اسے	نہیں ہے
ماشاء	اللہ	یہ	نقش	ثانی
بہتر	ہے	بصورت		معانی
وہ	پیر	معمر	و	کہن سال
یہ	خیر	سے	نوںہال	اقبال
وہ	اک	گل	صد	بہار دیدہ
یہ	غنچہ	تازہ	نو	و میدہ
مولود	سعید	مریم		طبع
عیسیٰ	دم	و	گو	ہریم طبع
لطف	شام	اودھ	ہے	اس سے
روشن	نام	اودھ	ہے	اس سے
اک	نور	ہے	مہر	لکھنؤ کا
اختر	ہے	پہر	لکھنؤ	کا
وہ	سرد	برنگ	آتش	گل
یہ	گرم	بسان	آہ	بہل
بحث	مضمون	میں	وہ	اگر شیخ
یہ	حل	نکات	میں	ہے سرشیخ
واں	بازوئے	قاز	ست	بنیاد
یہاں	خامہ	نیزہ	چمن	زاد
کیما	خامہ	زبان		معنی

کیا ذکرِ زباں کہ جانِ معنی
 اٹھنے میں نگاہِ چشمِ جادو
 چلنے میں حریفِ تیغِ ابرو
 مفتحِ خزینہٴ تصور
 نقاشِ گمبےٴ تصور
 کہنا اسے شمعِ کب روا ہے
 اوصاف میں شمع سے سوا ہے
 وہ چہرہ نمائے بزمِ صورت
 یہ پردہ بر آگینِ حقیقت
 ہر چند کہ سرمہ در گلو ہے
 تاہم سرگرم گفتگو ہے
 رعنا و طلیف و شوخ و بیباک
 سرگرم و حریف و چست و چالاک
 مشاطہٴ شاہدِ معانی
 بانی بنائے خوش بیانی
 پیچیدگیوں میں حرفِ زن ہے
 شانہ کش گیسوئے سخن ہے
 آزادی کا فخر سے اگر ہے
 یہاں فخر اس سے زیادہ تر ہے
 یعنی کہ وہ مطلق العنان ہے
 بے قید ہر ایک سوراں ہے

واں طبع کو زور لاتھف ہے
 وقت تو جو ہے وہ اس طرف ہے
 زنجیر خرد کی پائے بندی
 باقاعدہ شرح درد مندی
 تار نظر حسود بدکیش
 ہر گام پہ مثل دام در پیش
 کوتہ نظر ان پست فطرت
 سرگرم شرارت و عداوت
 واں شاخ شجر پہ ہے ترانہ
 یاں دیدہ دام آشیانہ
 کیونکر نہ ہوا دعائے اعجاز
 کھولے ہیں قفس میں بال پرواز
 کی سیر دو عالم ایک نفس میں
 پھر دیکھئے تو اسی قفس میں
 دریا قطرے میں موجزن ہے
 غنچے میں بہار صد چمن ہے
 ہے نوک سناں پہن نقش پرواز
 رقصاں دم تیغ پر بصد ناز
 شعلوں کے ہجوم میں سمندر
 امواج میں ماہی قوی پر
 کیا کثرت خار سے خطر ہے

یاں دوش نسیم پر سفر ہے
 پابندی کا کب ہے یاں تاسف
 یوسف زنداں میں بھی ہے یوسف
 جلوہ ہے وہی وہی تجلی
 شوکت ہے وہی وہی تعلق
 پابند جو یوسف سخن ہے
 پھیلی ہوئی بوئے پیرہن ہے
 ہر رنگ میں ہے بہار معنی
 ہر لفظ ہے پردہ وار معنی
 ہر نقطہ ہے کلمۂ بصیرت
 ہر حرف ہے کاشف حقیقت
 صرصر کے جور سے بری ہے
 یہ شاخ خزاں میں بھی ہری ہے
 وہ مہر فلک سے منفعل ہے
 یاں روشنی دماغ و دل ہے
 دریوزہ گرمی پہ اس کی اوقات
 یاں قطب صف ثبات دن رات
 جن سے آسیب کا تھا کھٹکا
 ان دیوؤں نے خوب سر کو پٹکا
 غالب تھا اثر میں اسم اس کا
 ٹوٹا نہ کبھی ظلم اس کا

ہوتے نہ جو رشک سے وہ بے چین
 حساد بھی صاد کرتے مابین
 سُنئے اک اور نکتہ خوب
 آزادی گفتگو ہے معیوب
 لاتا ہوں دلیل شاعرانہ
 دیکھو قدرت کا کارخانہ
 منہ کے اندر زباں جڑی ہے
 دانتوں کے حصار میں پڑی ہے
 بتیں جوان سخت طینت
 استاد ہیں مائل اوقیت
 ہیں مثل سفید دیو بیباک
 طامع جابر حریف سفاک
 حد سے جو بڑھے زبان گفتار
 دوڑیں اسے کاٹنے یہ خونخوار
 پہلو میں جو ان کے ہم نشین ہو
 وہ نوک خلال سے حزیں ہو
 کتنا ہی وہ ہو ملائم و تر
 دانہ پتا ہے ان میں آکر
 لوہے کے چنے کہاں سے لائیں
 سختی کا انہیں مزا چکھائیں
 اس قید میں جب کہ یہ زباں ہے

آزادی گفتگو کہاں ہے
 باریک ہے گو یہ نکتہ اے دل
 لازم ہے سمجھ لیں اس سے عاقل
 مرضی تھی خدائے جسم و جاں کی
 محدود ہوں شوخیاں زباں کی
 دل میں جو آئے بک نہ جاؤ
 ہشیار چلو بہک نہ جاؤ
 دریائے خیال موج زن ہے
 وقف یزداں وا ہر من ہے
 ہے شارع عام حق و باطل
 ناظر اس کی ہے فکر عاقل
 گذرے جو خیال بد بلا کد
 بازوئے خرد سے بس کر ورد
 باطل پہ نہ جاؤ حق کو سن لو
 کائناتوں کو ہٹا کے پھول چن لو
 خاموش بس اے زبان خامہ
 منظور نظر ہے ختم نامہ
 ہر چند یہ عالم سخن ہے
 یاں فیض ازل ضیا یکن ہے
 ہر گوشے میں وسعت فلک ہے
 ہر ذرہ میں مہر کی چمک ہے

ہر گام پہ ہیں چمن ہزاروں
 اک اک میں گلِ سخن ہزاروں
 ہر برگ گلِ سخن میں سورنگ
 ہر رنگ میں لاکھ لاکھ نیرنگ
 نیرنگ ایسے کہ عقل حیراں
 حیرت ایسی کہ نور عرفاں
 ہر سمت ہزار میکدے ہیں
 ہر ایک میں لاکھ خم بھرے ہیں
 ہر خم میں شرابِ ارغوانی
 یعنی رنگینی معانی
 اک قطرہ سے طبع ہو جو ممتاز
 سینہ بن جائے مخزنِ راز
 وہ راز کہ دل ہو محوِ مستی
 مائل ہو سوئے سخنِ پرستی
 ہو طول جو سلسلہ سخن کا
 ہمسر ہو زلف پر شکر کا
 پر طول بیاں سے فائدہ کا
 اس صرف زباں سے فائدہ کیا
 بس بس اب روک لے زبان کو
 کافی ہے اشارہ نکتہ داں کو
 ہو کر آمادہ جاں و دل سے

ہو محو دعا زبان و دل سے
 جب تک ہے رباعی عناصر
 رنگینی نقش لوح خاطر
 جب تک کہ یہ نظم بیت ہستی
 موزوں ہے برائے خود پرستی
 جب تک ہے مسدس جوانب
 برہان مشارق و مغارب
 جب تک کہ ہے روح کا لطیفہ
 انفاس کا ہر نفس وظیفہ
 یہ پرچہ دل فریب و زیبا
 ہو مونس و جان ناکلیبا
 تحریک سے مس کو زر بنائے
 ٹھہرے تو دل کو گھر بنائے
 ہر جامے میں لاجواب نکلے
 ہر رنگ میں انتخاب نکلے
 ہو سوز دل یگانہ وغیر
 بن جائے چراغ کعبہ و دیر
 جب تک کہ اثر ہے کاف دنوں کا
 مفتوں ہو ہر ایک اس فسوں کا
 پروانہ اسے چراغ سمجھے
 بلبل دیکھے تو باغ سمجھے

خورشید کا نور میں طرف ہو
 ذروں کی کشش اسی طرف ہو
 اے حافظ و خالق اودھ شیخ
 خوش دل رہیں عاشق اودھ شیخ
 اپنی اپنی مراد پائیں
 دیکھیں جب دل کو شاد پائیں
 ہر مشتری بلند فطرت
 پائے دور قمر میں رفعت
 محتاج ہو سیم کا نہ زر کا
 مورد ہو باندی نظر کا
 احباب جو اس کے ہیں معاون
 عالی نشان نیک باطن
 ظراف و مصنف لطائف
 طباع و مصور کوائف
 سر سبز ہوں گلشن جہاں میں
 خرم پھریں باغ و بوستاں میں
 رنگیں طبعی سے گل کھلائیں
 چشم بدیں کو خوں رلائیں
 پیدا ہو وہ گوہر مضامین
 دریا کے ہولب چہ شورِ تحسین
 بیاختہ بول اچھیں سخنور

اللہ رے طبع و فکر اکبر

☆☆☆

اودھ پنچ کے نام

گفتش تارک مذہب شوم خوش ہاشم
محبے چند ہوں دارم و انعامے چند
خلق را فائدہ نیست ازیں جنگ و جدال
یک دعا ہست دریں محفل و دشنامے چند
گفت خاموش کہ دین است مدار ملت
ترک ایں راہ مکن از پئے خود کامے چند
عیب مذہب ہمہ گفتی ہنرش نیز بگو
نشی حکمت مکن از بہر دل عامے چند

☆☆☆

برق کلیسا

(یہ نظم ۱۹۰۷ء میں لکھی گئی تھی)

رات اس مس سے کلیسا میں ہوا میں دو چار
ہائے وہ حسن وہ شوخی وہ نزاکت وہ ابھار
زلف پیچاں میں وہ جج دھج کہ بلائیں بھی مرید
قدر عنا میں وہ چم خم کہ قیامت بھی شہید
آنکھیں وہ فتنہ دوراں کہ گنہ گار کریں
گال وہ صبح درخشاں کہ ملک پیار کریں

گرم تقریر جسے سننے کو شعلہ لپکے
 دلکش آواز کہ سن کر جسے ببل جھپکے
 دل کشی چال میں ایسی کہ ستارے رک جائیں
 سرکشی ناز میں ایسی کہ گورنر جھک جائیں
 آتشِ حسن سے تقویٰ کو جلانے والی
 بجلیاں لطفِ تبسم سے گرانے والی
 پہلوئے حسن بیاں شوخی تقریر میں غرق
 ٹرکی و مصر و فلسطین کے حالات میں برق
 پس گیا لوٹ گیا دل میں سکت ہی نہ رہی
 سر تھے تمکین کے جس گت میں وہ گت ہی نہ رہی
 ضبط کے عزم کا اس وقت اثر کچھ نہ ہوا
 یا حفیظ کا کیا ورد مگر کچھ نہ ہوا
 عرض کی میں نے کہ اے گلشنِ فطرت کی بہار
 دولت و عزت و ایماں ترے قدموں پہ نثار
 تو اگر عہد وفا باندھ کے میری ہو جائے
 ساری دنیا سے مرے قلب کو سیری ہو جائے
 شوق کے جوش میں میں نے جو زبان یوں کھولی
 ناز و انداز سے تیوری کو چڑھا کر بولی
 غیر ممکن ہے مجھے انسِ مسلمانوں سے
 بوئے خواں آتی ہے اس قوم کے افسانوں سے
 کن ترانی کی یہ لیتے ہیں نمازی بن کر

حملے سرحد پہ کیا کرتے ہیں غازی بن کر
 کوئی بنتا ہے جو مہدی تو بگڑ جاتے ہیں
 آگ میں کودتے ہیں توپ سے لڑ جاتے ہیں
 گل کھلائے کوئی میدان میں تو اترا جائیں
 پائیں سامان اقامت تو قیامت ڈھائیں
 مطمئن ہو کوئی کیوں کر کہ یہ ہیں نیک نہاد
 ہے ہنوزان کی رگوں میں اثر حکم جہاد
 دشمن صبر کی نظروں میں لگاوٹ پائی
 کامیابی کی دل زار نے آہٹ پائی
 عرض کی میں نے کہ اے لذت جاں راحت روح
 اب زمانے پہ نہیں ہے اثر آدم و نوح
 شجر طور کا اس باغ میں پودا ہی نہیں
 گیسوئے حور کا اس دور میں سودا ہی نہیں
 اب کہاں ذہن میں باقی ہیں براق و فراف
 کلنگی بندھ گئی ہے قوم کی انجن کی طرف
 ہم ہیں باقی نہیں اب خالدؓ جانناز ا رنگ
 دل پہ غالب ہے فقط حافظ شیراز کا رنگ
 یاں نہ وہ نعرۂ تکبیر نہ وہ جوش سپاہ
 سب کے سب آپ ہی پڑھتے ہیں سبحان اللہ
 جوہر تیغ مجاہد ترے امرو پہ شمار
 نور ایمان کا ترے آئینہ رو پہ شمار

اٹھ گئی صفحہ خاطر سے وہ بحث بدو نیک
 دو دے ہو رہے ہیں کہتے ہیں اللہ کو ایک
 موج کوڑ کی کہاں اب ہے مرے باغ کے گرد
 میں تو تہذیب میں ہوں پیر مغاں کا شاگرد
 مجھ پہ کچھ وجہ عتاب آپ کو اے جان نہیں
 نام ہی نام ہے ورنہ میں مسلمان نہیں
 جب کہا صاف یہ میں نے کہ جو ہو صاحب فہم
 تو نکالو دل نازک سے یہ شبہ دہم
 میرے اسلام کو ایک قصہ ماضی سمجھو
 ہنس کے بولی کہ تو پھر مجھ کو بھی راضی سمجھو



ڈال دے جان معافی میں وہ اردو یہ ہے
 کروٹیں لینے لگے طبع وہ پہلو یہ ہے



ایک بوڑھا نحیف و خستہ و زار
 اک ضرورت سے جاتا تھا بازار
 ضعف پیری سے خم ہوئی تھی کمر
 راہ بیچارہ چلتا تھا جھک کر
 چند لڑکوں کو اس پہ آنی ہنسی
 قد پہ پھبتی سمان کی سو جھبی

کہا اک لڑکے نے یہ اس سے کہ بول
تو نے کتنے کوئی کمان یہ مول
پیر مرد لطیف و دانشمند
ہنس کے کہنے لگا کہ اے فرزند
پہنچو گے میری عمر کو جس آن
مفت مل جائے گی تمہیں یہ کمان



میں نے اکبر سے کہا آئیے حجرے میں مرے
اس چٹائی پہ نمازیں پڑھیں حسب دستور
چھوڑیے آپ یہ ہنگامہ تعلیم جدید
کاٹ ہی دے گا کسی طرح خداوند غفور
بولا جھنجھلا کے کہ ہے سہل جہنم مجھ پر
اس کی نسبت کہ میں کالج میں ہوں احمق مشہور



انگلش ڈرس انور کا جو کل بزم میں دیکھا
اکبر نے کہا یہ تو خرابی کے ہیں آثار
معنی میں بھی ہو جائے گا آخر کو تغیر
تبدیلی صورت کے رہے گر یہی اظہار
خالق کی عبادت سے حجاب آنے لگے گا
شرماؤ گے کرتے ہوئے اسلام کا اظہار

بیگانہ وٹشی ہوگی عزیزان وطن سے
 بنگلے میں نہاں ہوگے کہیں چھوڑ کے گھر بار
 فاتح سے مساوات کی انھیں گی امنگیں
 وہ زبست جو آسان تھی ہو جائے گی دشوار
 آپس میں بھی تم لوگ موافق نہ رہو گے
 ایک ایک کو دیکھے گا بہ اکراہ و بہ انکار
 آخر کو رہو گے نہ ادھر کے نہ ادھر کے
 انگریز بھی کھینچتے رہیں گے قوم بھی بے زار
 انور نے کہا صل علیٰ واہ بہت خوب
 شک اس میں نہیں مدح کے قابل ہے یہ گفتار
 لیکن جو یہ تقیم ہے حضرت کے خن میں
 اس کو تو نہ تسلیم کرے گا یہ گنہہ گار
 ہر مذہب و ملت میں ہیں اچھے بھی برے بھی
 وہ کونسا فرقہ ہے کہ سب جس میں ہوں ابرار
 ملبوس و مکاں کا جو کیا آپ نے مذکور
 اس کے بھی بجا ہونے کا مجھ کو نہیں اقرار
 باطن سے ہے اخلاق حمیدہ کا تعلق
 فطرت میں جو ہے نیک وہ بد ہوگا نہ زہار
 اوضاع زمانہ تو بدلتے ہی رہیں گے
 رکتی نظر آتی نہیں دنیا کی یہ رفتار
 ہے جس کو ضرورت وہ ضرورت سے ہے مجبور

ہے شوق جسے کیوں نہ کیا جائے وہ مختار
مقصود جو اصلی ہے وہ ہے دل کی درستی
یا ہیٹ و اور کوٹ ہو یا جہ و دستار
شبہ مرے اس قول کی صحت میں اگر ہو
سن لیجئے سعدی کا یہ ارشاد گہر بار
حاجت بہ کلاہ بر کی داشت نیست



یہ قطعہ ۱۸۹۹ء میں لکھا گیا

بہار آئی کھلے گل زیب صحن بوستاں ہو کر
عنادل نے مچائی دھوم سرگرم فغاں ہو کر
بچھا فرش زمرد اہتمام سبزہ تر میں
چلی مستانہ وشن باد صبا عنبر فشاں ہو کر
عروج نشہ نشوونما سے ڈالیاں جھوٹیں
ترانے گائے مرغان چمن نے شادماں ہو کر
بلائیں شاخ گل کی لیں نسیم صبح گاہی نے
ہوئیں کلیاں شگفتہ روئے رنگین بتاں ہو کر
جواناں چمن نے اپنا اپنا رنگ دکھلایا
کسی نے یاسمن ہو کر کسی نے ارغواں ہو کر
کیا پھولوں نے شبنم سے وضو صحن گلستاں میں
صدائے نغمہ بلبل اٹھی بانگ ازاں ہو کر
ہوائے شوق میں شاخیں جھکیں خالق کے سجدے کو
ہوئی تسبیح میں مصروف ہر پتی زباں ہو کر
زبان برگ گل نے کی دعا رنگیں عبارت میں
خدا سر سبز رکھے اس چمن کو مہرباں ہو کر
لگا ہیں کالوں پر پڑ ہی جاتی ہیں زمانہ میں
کہیں چھپتا ہے اکبر پھول پتوں میں نہاں ہو کر



میں نے کہا بہت سی زبانیں ہوں جانتا
 مدت تک امتحان دیئے امتحان پر
 جرمن فرنیچ لیٹن و انگلش پہ ہے عبور
 ثابت مرا کمال ہے سارے جہان پر
 اک شوخ طبع مس نے دکھائی زباں مجھے
 بجلی تھی ابر میں کہ قمر آسماں پر
 بولی رہو گے زیست کی لذت سے بیڑ
 قدرت نہ پائی تم نے اگر اس زبان پر



ہوئی جو مجھ سے یہ فرمائش بت طراز
 کہ فن شعر میں تو آج ہے بہت ممتاز
 لگا دے اس پہ کوئی مصرعہ حسین و نفیس
 زمانہ با تو نہ سازو تو با زمانہ بہ ساز
 کہا یہ میں نے کہ ہے قید حسن و خوبی کی
 تو سن یہ شعر نشاط آورو نگاہ نواز
 پہن لے سایہ مری جاں اتار کر پشواز
 زمانہ با تو نہ ساز و تو بازمانہ بہ ساز



ناخوش جو ہوا میں اپنی بے قدری پر
 اک ناز سے مسکرا کے بولی وہ مس

عزت کا تو کچھ بھی تجھ میں باقی نہیں وصف
افسوس کہ رہ گیا ہے تحقیر کا حس



خدا حافظ مسلمانوں کا اکبر
مجھے تو ان کی خوش حالی سے ہے یاس
یہ عاشق شاہد مقصود کے ہیں
نہ جائیں گے و لیکن سعی کے پاس
سناؤں تم کو اک فرضی لطیفہ
کیا ہے میں نے جس کو زیب قرطاس
کہا مجنوں سے یہ لیلیٰ کی ماں نے
کہ بیٹا تو اگر کر لے ایم اے پاس
تو فوراً پیام دوں لیلیٰ کو تجھ سے
بلا وقت میں بن جاؤں تری ساس
کہا مجنوں نے یہ اچھی سنائی
کجا عاشق کجا کالج کی بکواس
کجا یہ فطرتی جوش طبیعت
کجا ٹھوکی ہوئی چیزوں کا احساس
بڑی بی آپ کو کیا ہو گیا ہے
ہرن پر لادی جاتی ہے کہیں گھاس
یہ اچھی قدر دانی آپ نے کی

مجھے سمجھا ہے کوئی ہر چہن واس
دل اپنا خود کرنے کو ہوں موجود
نہیں منظور مغز سر کا آماں
یہی ٹھہری جو شرط وصل لیلیٰ
تو استعفا مرا با حسرت و یاس



اگرچہ پولیکل بحث میں ہوئے ہیں شریک
جناب پنڈت جے چندو بابو آشو توش
مگر ہمیں تو ہے بالکل سکوت اس مد میں
سمجھا گئے ہیں یہ مضمون سید ذی ہوش
رموز مملکت خولیں خسرواں و ائمہ
گدائے گوشہ نشینی تو حافظا مخروش



اک مس سیمیں بدن سے کر لیا لندن میں عقد
اس خطا پر سن رہا ہوں طعنہ ہائے لخراش
کوئی کہتا ہے کہ بس اس نے بگاڑی نسل قوم
کوئی کہتا ہے کہ یہ ہے کہ بدخصال و بدمعاش
دل میں کچھ انصاف کرتا ہی نہیں کوئی بزرگ
ہو کے اب مجبور خود اس راز کو کرتا ہوں فاش
ہوتی تھی تاکید لندن جاؤ انگریزی پردھو

قوم انگش سے ملو سیکھو وہی وضع و تراش
 جگمگاتے ہوٹلوں کا جا کے نظارہ کرو
 سوپ و کاری کے مزے لو۔ چھوڑ کر بجنی و آتش
 لیڈیوں سے مل کے دیکھو ان کے انداز و طریق
 ہال میں مہینو کلب میں جا کے کھیلو ان سے تاش
 بادۂ تہذیب یورپ کے چڑھاؤ زخم کے خم
 ایشیا کے شیشہ تقویٰ کو کر دو پاش پاش
 جب عمل اس پر کیا پر یوں کا سایہ ہو گیا
 جس سے تھا دل کی حرارت کو سراسر انعاش
 سامنے تھیں لیڈیان زہر و دُش جادو نظر
 یاں جوانی کی امنگ اور ان کو عاشق کی تلاش
 اس کی چتون سر آگیں اس کی باتیں دل ربا
 چال اس کی فتنہ خیز اس کی نگاہیں برق پاش
 وہ فروغ آتش رخ جس کے آگے آفتاب
 اس طرح جیسے کہ پیش عم پروانے کی لاش
 جب یہ صورت تھی تو ممکن تھا کہ اک برق ملا
 دست سمیں کو بڑھاتی اور میں کہتا دور ہاش
 دونوں جانب تھا رگوں میں جوش خون فتنہ زا
 دل ہی تھا آخر نہیں تھی برف کی یہ کوئی قاش
 بار بار آتا ہے اکبر میرے دل میں یہ خیال
 حضرت سید سے جا کر عرض کرتا کوئی کاش

درمیانِ تفر دریا تختہ بندم کردہ
باز میگوئی کہ دامن تر مکن ہشیار باش



یہ قطعہ ۲۷ اگست ۱۸۹۱ء کو بمقام کانپور لکھا گیا

بٹھائی جائیں گی پردے میں یہیاں کب تک
بنے رہو گے تم اس ملک میں میاں کب تک
حرم سرا کی حفاظت کو تیغ ہی نہ رہی
تو کام دیں گی یہ چلمن کی تیلیاں کب تک
میاں سے بی بی ہیں پروا ہے ان کو فرض مگر
میاں کا علم ہی اٹھا تو پھر میاں کب تک
طبیعتوں کا نمو ہے ہوائے مغرب میں
یہ غرتیں یہ حرارت یہ گرمیاں کب تک
عوام باندھ لیں دوہر کو تھرڈ وائر میں
سکندرفرسٹ کی ہوں بند کھڑکیاں کب تک
جو منہ دکھائی کی رسموں پہ ہے مصر ابلیس
چھپیں گی حضرت حوا کی بیٹیاں کب تک
جناب حضرت اکبر ہیں حامی پردہ
مگر وہ کب تک اور ان کی ربا عیاں کب تک



وہ سودی سخن کوئے شیریں مقال
جو انگریز شاعر تھا اک بے مثال

بقرمانش دختر باتمیز

کہ رکھتا تھا جس کو وہ دل سے عزیز
لکھی ہے اس نے ہے نظم اک لاجواب
دکھائی ہے شکل روانی آب
جو بہتا ہے پانی میان لوڈور
اسی کا دکھایا ہے شاعر نے زور
مناسب جو انگش مصادر ملے
مٹھے کئے ان کے سب سلسلے
یہ جمعیت افعال کی خوب کی
کہ درسی بھی ہے اور دلچسپ بھی
یہ اصرار کرتے ہیں بھائی حسن
کہ میں بھی ہوں اس بحر میں غوطہ زن
دکھاؤں روانی دریائے فکر
کہ گوہر شناسوں میں ہو جس کا ذکر
عجب ہے نہیں ان کی اس پر نظر
کجا میں کجا سودی نامور
سوا اس کے ہیں اور بھی مشکلیں

نہیں سہل اس راہ کی منزلیں
 مرے پاس سرمایہ کافی نہیں
 وہ مصدر نہیں وہ قوافی نہیں
 زباں میں نہ وسعت نہ ویسا مذاق
 ادھر تو ہے کچھ اور ہی طعمہ طراق
 اگر ترجمہ یہ ہیں جسے ڈرتا ہوں میں
 مگر خیر کچھ فکر کرتا ہوں میں
 جو تھیں وقتیں کہہ چکا ہر ملا
 غرض دیکھئے اب یہ پانی چلا
 اچھلتا ہوا اور ابلتا ہوا
 اکڑتا ہوا اور مچلتا ہوا
 یہ بنتا ہوا اور وہ تنقا ہوا
 ٹپکتا ہوا اور چھفتا ہوا
 روانی میں اک شور کرتا ہوا
 رکاوٹ میں اک زور کرتا ہوا
 پیٹھوں کے روزن زمیں کے مسام
 یہ ہے کر رہا ہر طرف اپنا کام
 ادھر پھولتا اور پچکتا ادھر
 رخ اس سمت کرتا کھسکتا ادھر
 پیٹھوں پہ سر کو پکتا ہوا
 چٹانوں پہ دامن جھسکتا ہوا

وہ پہلے سائل دہاتا ہوا
 یہ سبزہ پہ چادر بچھاتا ہوا
 بھٹکتا ہوا غل مچاتا ہوا
 وہ جل تھل کا عالم رچاتا ہوا
 وہ گاتا ہوا اور بجاتا ہوا
 یہ لہروں کو پیہم نچاتا ہوا
 ادھر جومتا اور مٹکتا ہوا
 ادھر گھومتا اور اٹکتا ہوا
 بھرتا ہوا جوش کھاتا ہوا
 بگڑ کر وہ کف منہ میں لاتا ہوا
 وہ اونچے سروں میں تہوج کا راگ
 وہ خود جوش میں آکے لانا یہ جھاگ
 سدھرتا ہوا اور سنورتا ہوا
 تھرکتا ہوا رقص کرتا ہوا
 ادھر گوبھتا گنکتا ہوا
 ادھر خود بخود بجنھناتا ہوا
 پستا ہوا اور چٹھتا ہوا
 یہ پھٹتا ہوا وہ سمٹتا ہوا
 ساتا ہوا اور پلتا ہوا
 سرکتا ہوا اور ملتا ہوا
 یہ گھٹتا ہوا اور وہ بڑھتا ہوا

اترتا ہوا اور چڑھتا ہوا
 یہ بٹتا ہوا اور وہ پچتا ہوا
 دبا تا ہوا اور لچتا ہوا
 مچھلتا ہوا ڈمکتا ہوا
 لچکتا ہوا لڑکھاتا ہوا
 وہ روئے زمیں کو چھپاتا ہوا
 وہ خاکی کو سیمیں بناتا ہوا
 گل و خار یکساں سمجھتا ہوا
 ہر اک سے برابر الجھتا ہوا
 بہاتا ہوا اور بہتا ہوا
 ہوا کے طماچوں کو سہتا ہوا
 لرزتا ہوا تلملاتا ہوا
 بلکتا ہوا بلبلاتا ہوا
 باندی سے گرتا گراتا ہوا
 نشیبوں میں پھرتا پھراتا ہوا
 اچکتا ہوا اور اڑتا ہوا
 اکتا ہوا اور مڑتا ہوا
 وہ کھیتوں میں راہیں کھرتا ہوا
 زمینوں کو شاداب کرتا ہوا
 یہ تھالوں کی گودوں کو بھرتا ہوا
 وہ دھرتی پہ احسان دھرتا ہوا

یہ پھولوں کیے کجھے بھاتا ہوا
 وہ چکر میں بھرے پھنساتا ہوا
 لپکتا ہوا دندناتا ہوا
 امنڈتا ہوا سنسناتا ہوا
 چمکتا ہوا اور تھلکتا ہوا
 سنبھلتا ہوا اور تھپکتا ہوا
 ہواؤں سے موجیں لڑاتا ہوا
 حبابوں کی فوجیں بڑھاتا ہوا
 ترپتا ہوا جگمگاتا ہوا
 شعاعوں کا جو بن دکھاتا ہوا
 یو نہیں الغرض ہے یہ پانی رواں
 بس اب دیکھ لیں شاعر نکتہ داں
 وہ سودے کا سیان آب لوڈور
 یہ بحر خیالات اکبر کا زور ۲



برق و بخارات کا زور اے حکیم
 کب ہے پے روح رہ مستقیم
 تار پہ جاتے نہیں اہل نظر
 ریل سے کھنچتا نہیں قلب سلیم
 سب جانتے ہیں علم سے ہے زندگی روح

بے علم ہے اگر تو وہ انسان ہے ناقص
 بے علم و بے ہنر ہے جو دنیا میں کوئی قوم
 نیچر کا اقتضا ہے رہے بن کے وہ غلام
 تعلیم اگر نہیں ہے زمانہ کے حسب حال
 پھر کیا امید دولت و آرام و احترام
 سید کے دل میں نقش ہوا اس خیال کا
 ڈالی بنائے مدرسہ لے کر خدا کا نام
 صدمے اٹھائے رنج سبے گالیاں سہیں
 لیکن نہ چھوڑا قوم کے خادم نے اپنا کام
 دکھلا دیا زمانہ کو زور دل و دماغ
 ہٹا دیا کہہ کرتے ہیں یوں کرنے والے کام
 نیت جو تھی بخیر تو برکت خدا نے دی
 کلج ہوا درست بعد شان و احتشام
 سرمایہ مکین کی تھی سہارا کوئی نہ تھا
 سید کا دل تھا درپے تکمیل انتظام
 آخر اٹھا سفر کو وہ مرد نجستہ پے
 احباب چند ساتھ تھے ذی علم و خوش کلام
 قسمت کی رہبری سے ملی منزل مراد
 فرمانروائے ملک دکن کو کیا سلام
 حالت دکھائی اور ضرورت بیان کی
 خوبی سے التماس کیا قوم کا پیام

رحم آگیا حضور کو حالت پہ قوم کی
 پھر کیا تھا موجزن ہوا دریائے فیض عام
 ماہانہ دو ہزار کیا ایک ہزار سے
 امید سے زیادہ عطا تھی یہ لاکلام
 اکبر کی یہ دعا ہے خدا کی جناب میں
 تاحشر اس رئیس و ریاست کو ہو قیام
 کیا دقت پر ہوئی ہے کہ بے احتیاج فکر
 تاریخ اپنی آپ ہے فیاض نظام ہے



کہا کسی نے یہ سید سے آپ اے حضرت
 نہ پیر کو نہ کسی پیشوا کو مانتے ہیں
 نہ آپ عالم برزخ سے مانگتے ہیں مدد
 نہ فاتحے کے طریق ادا کو مانتے ہیں
 نظر تو کیجئے اس بات پر جو ہیں ہندو
 بہ صد خلوص ہر اک دیوتا کو مانتے ہیں
 بہت وہ ہیں جو عناصر پرست ہیں دل سے
 وہ آگ پوجتے ہیں یا ہوا کو مانتے ہیں
 کر سچین بھی فدائی ہیں نام مریم کے
 بہ دل مسیح علیہ السلام و مانتے ہیں
 خود آپ ہی میں جو ہیں شیعان با تمکین

وہ اہل بیت کو آلِ عبا کو مانتے ہیں
 وہ لوگ جو ہیں ملقب بہ صوفیان کرام
 فدا قبور پہ ہیں اولیا کو مانتے ہیں
 مرادیں مانگتے ہیں لوگ پاک روحوں سے
 کسی بزرگ کو یا مفتدا کو مانتے ہیں
 پھر آپ میں یہ ہوا کیا سما گئی ہے کہ آپ
 نہ دھگیر نہ مشکل کشا کو مانتے ہیں
 جواب انہوں نے دیا ہم ہیں پیرو قرآن
 ادب ہر اک کا ہے لیکن خدا کو مانتے ہیں
 سند ہماری ہے ایاک نستعین اے دوست
 اسی یگانہ حاجت روا کو مانتے ہیں
 اسی کا نام زباں پر ہے حی اور قیوم
 اسی کی قدرت بے انتہا کو مانتے ہیں
 یہ بوئے شرک ہی ہے جنگ و اختلاف کی جڑ
 تو عقل مند کب ایسی بلا کو مانتے ہیں
 جواب حضرت سید کا خوب ہے اکبر
 ہم ان کے قول درست و بجا کو مانتے ہیں
 لیکن اسی نئی تہذیب کے بزرگ اکثر
 خدا کو اور نہ طریق دعا کو مانتے ہیں
 زبانی کہتے ہیں سب کچھ مگر حقیقت میں
 وہ صرف قوت فرماں روا کو مانتے ہیں



پوچھا پروانہ سے کہ اے ناداں
آگ میں گر کے کیوں گنوا تا ہے جاں
جل کے بولا کہ اے خرد دشمن
سن لے مجھ سے یہ معنی روشن
شعلے سے طالب وصال اچھا
یا اندھے میں پانمال اچھا



کیا وجہ ہے قومی جو ترقی نہیں ہوتی
ہر چند کہ ہے شور ترقی کی صدا میں
یہ مسئلہ مشکل ہے وہی سمجھیں گے جن کو
ہے نشوونما پلینکل آب و ہوا میں
اک بات تعجب سے مگر میں نے سنی تھی
کل رات کو اک انجمن ذکر خدا میں
اسپیج ترقی میں تو آندھی ہے یہ فرقہ
لگتا نہیں دل ان کا ترقی کی دعا میں



بنائے ملت بگڑ رہی ہے لبوں پہ ہے جان مر رہے ہیں
مگر طلسمی اثر ہے ایسا کہ خوش ہیں گویا ابھر رہے ہیں
ادھر ہے قوم ضعیف و مسکین ادھر ہیں کچھ مرشدان خود ہیں

کئی رگ اتحادِ ملت رواں ہوئیں خونِ دل کی موجیں
 ہم اس کو سمجھیں ہیں آبِ صافی نہا رہے ہیں نکھر رہے ہیں
 صدائے اتحاد اُٹھ رہی ہے خدا کی اب یاد اُٹھ رہی ہے
 دلوں سے فریاد اُٹھ رہی ہے کہ دین سے ہم گذر رہے ہیں
 قفس ہے کم ہمتی کا سمیں پڑے ہیں کچھ دانہ بے شیریں
 اسی پہ مائل ہے طبعِ شاہین نہ بال ہیں اب نہ پر رہے ہیں
 اگرچہ یورپ بھی جتا ہے وہاں بھی پھیلی یہی بلا ہے
 خیال میٹر ۲۸ کا بڑھ چلا ہے خدا کا انکار کر رہے ہیں
 مگر وہاں کی نبا ہے نیشن رکا ہے طمد کا اپریشن
 نہیں ہے گم لفظ سالویشن ۲۹ خدا سے اب بھی وہ ڈر رہے ہیں
 یہاں بجائے نماز گپ ہے وہاں وہی عزت ہشپ ہے
 یہاں مساجد اجڑ رہی ہیں وہاں کلیسا سنور رہے ہیں
 جناب اکبر سے کوئی کہہ دے کہ لوگ بیٹھے ہیں ہر طرح کے
 اس نجنم میں اور ایسی باتیں یہ آپ کیا قہر کر رہے ہیں



چواشارہ کردِ ناح کہ بیادِ بشنو ازمن
 ہمہ طرزِ حیلہ جستن ہمہ فن ساز کردن
 گہمہ امیر گبر بودہ بہ یہود عہد یاری
 گہمہ امین دیر بودہ بہ حرم نماز کردن
 بخزانی عزیزاں ہمہ امتیاز جستن

بہرادر غیر بودہ ہمہ عیش و ناز کردن
 نظرے گلند چشم بہ حقارتے برویش
 کہ حرام باد دستے سوئے تودراز کردن
 ہمہ اول تو دیدم ہمہ آخر تو دیدم
 نہ خوش است شرح احوال دیان راز کردن
 تو بہ خوشتن چہ کر دی کہ بہا کنی نظیری
 بخدا کہ واجب آمدز تو احتراز کردن



کیا شک ہے آفتاب کے شان و جلال میں
 روشن تر اس سے کوئی شے ہے خیال میں
 لیکن نہیں وہ کچھ بھی موثر پس از غروب
 لازم ہے غور کیجئے اس مسئلہ پر خوب
 پر چند تم خیال کرو آفتاب کا
 گوشہ بھی اٹھ سکے گا نہ شب کی نقاب کا
 پوجو گے اس کو تب بھی وہ پھیرا نہ جائے گا
 اس کو پکارنے سے اندھیرا نہ جائے گا
 انسان کا حال بھی مرے نزدیک ہے یہی
 تحقیق کی نظر جو کرد ٹھیک ہے یہی
 کتنا ہی کوئی صاحب اوج کمال ہو
 کتنا ہی با اثر ہو کہ عالی خیال ہو

جب کر گیا جہاں سے وہ ملک عدم کو کوچ
 پھر اس سے کچھ مدد کا قصور ہے بیچ و پوچ
 قیوم و حی ذات ہے اللہ کی فقط
 زندہ ہمیشہ بات ہے اللہ کی فقط
 سن لو کہ اتباع و ادب اور چیز ہے
 مطلب کی لیکن ان سے طلب اور چیز ہے
 آزرده کوئی شیخ ہو یا برہمن خفا
 حقانیت یہی ہے یہی ٹھیک فلسفا



کرچکا کالج میں جب تکمیل فن
 تب یہ بولے مجھ سے مسٹر مارلسن
 گو کہ شہرت ہے تمہاری دور دور
 مجھ سا تم رکھتے نہیں عقل و شعور
 عرض کی میں نے کہ اے روشن ضمیر
 ہے یہی تو جس کو روتا ہے بشیرۃ
 آپ نے سیکھا ہے اپنے بات سے
 اور میں نے جو پڑھا وہ آپ سے



یہ طفل نادان غریق غفلت ہوائے ذلت میں تن رہے ہیں
 سمجھ نہیں ہے نظر نہیں ہے بنائے جاتے ہیں بن رہے ہیں

بیمار ہی سے نہیں ہیں واقف خزاں کے ظلموں کو کیا وہ سمجھیں
 یہ داغ تو ہیں انہیں کے دل پر جو مٹو رنگ چمن رہے ہیں
 نیا فلک ہے نئے ستارے یہ شوق سے کرتے ہیں نظارے
 انہیں کو کچھ حس ہے گردنوں کا جو زیر چرخ کہن رہے ہیں
 یہ آخری صف میں اُگنے والے بہشت سمجھے ہیں اپنے تھالے
 محل حسرت ہیں ان کے سینے جو زینت انجمن رہے ہیں
 رہے ہیں جو برگ و خس کے خوگر انہیں ہو کیوں خاران کا منظر
 نگاہ تو ہے انہیں کی مضطر جو مست سرو و سمن رہے ہیں
 بہت خفا تھے مسائل دیں کہ ہو رہی ہے ہماری تو ہیں
 اب ان کو منطق منا رہی ہے وہ سر جھکائے ہیں من رہے ہیں
 اگرچہ لفظوں کی بدلیوں میں چھپا ہے معنی کا چاند اکبر
 مگر معانی ہیں ایسے روشن کہ نور کی طرح چھن رہے ہیں



مزے کا جشن تھا کل اک شراب خانے میں
 کسی نے خوب یہ گیا کسی ترانے میں
 خدا کے فضل سے ہم نام کے مسلمان ہیں
 وگرنہ چین سے رہتے نہ اس زمانے میں



ہستی کے شجر میں جو یہ چاہو کہ چمک جاؤ
 کچے نہ رہو بلکہ کسی رنگ میں پک جاؤ

میں نے کہا قاتل میں تصوف کا نہیں ہوں
 کہنے لگے اس بزم میں آؤ تو تھرک جاؤ
 میں نے کہا کچھ خوف کلکٹر کا نہیں ہے
 کہنے لگے آجائیں ابھی وہ تو دبک جاؤ
 میں نے کہا ورزش کی کوئی حد بھی ہے آخر
 کہنے لگے بس اس کی یہی حد ہے کہ تھک جاؤ
 میں نے کہا افکار سے پیچھا نہیں چھٹتا
 کہنے لگے تو جانب مے خانہ لپک جاؤ
 میں نے کہا اکبر میں کوئی رنگ نہیں ہے
 کہنے لگے شعر اس کے جو سن لو تو پھڑک جاؤ



کر چکا ختم جب اپنسر
 مجھ پہ پڑنے لگی ہر اک کی نگاہ
 پوچھا استاد نے کہ تجھے بھی
 ان دقائق نے دل میں کی کچھ راہ
 کہہ دیا میں نے اس کا کل مطلب
 صاف ہے لا إله إلا الله
 ماسٹر نے کہا تو کو دن ہے
 حق پکارا کہ واہ اکبر واہ



سنا کہ چند مسلمان جمع تھے یک جا
 خدا پرست خوش اخلاق اور بلند نگاہ
 کہا کسی نے یہ ان سے کہ یہ تو بتلاؤ
 تمہاری عزت و وقعت کا کس طرح ہے نباہ
 نظر کرو طرف اقتدار اہل فرنگ
 کہ ان کے قبضہ میں ہے ملک و مال و عیج و سپاہ
 انہیں کا سکہ ہے جاری یہاں سے لندن تک
 انہیں کی زیر نگین ہے ہر اک سفید و سیاہ
 کلیں بنائی ہیں وہ وہ کہ دیکھ کر جن کو
 زبان خلق سے بے ساختہ نکلتی ہے واہ
 تمہارے پاس بھی کچھ ہے کہ جس پہ تم کو ہے ناز
 کہا انھوں نے کہ ہاں لا الہ الا اللہ



نہ وہ بک رہ گئے نہ سرسید
 دل احباب سے نکلتی ہے آہ
 ذات محمود سے تسلی تھی
 لی انہوں نے بھی آج خلد کی راہ
 بولی عبرت کو ہوش میں آؤ
 اے حریصاں شان و شوکت و جاہ
 مٹ گیا نقش احمد و محمود

رہ گیا لا الہ الا اللہ



بنام ایڈیٹر رسالہ ید بیضا

علم اسرار دل و حل معما داری
برتر از نظم دکن نظم ثریا داری
تو چہ حاجت بہ جمال سخن ماداری
حسنِ یوسف دم عیسیٰ ید بیضا داری
انچہ خواباں ہمہ دارند تو تنہا داری



مسلمانوں میں اب تعلیم انگش رک نہیں سکتی
کسی سے مشرق و مغرب کی سازش رک نہیں سکتی
وہ منزلہ نہیں سکتا یہ چپچس رک نہیں سکتی
بڑے بوڑھوں کی لیکن یہ بھی خوانش رک نہیں سکتی
مذاق قوم بیگانہ نہ ہو اللہ اکبر سے
یہ نقش جانفرا مٹنے نہ پائے دل کے فتر سے



اہل یورپ کے ساتھ ہوئل میں
چکھی سید نے ایک دن کاری
خانساں نے کان میں یہ کہا
آپ تو علم سے نہیں عاری

پڑھئے کوئی دعائے اکل طعام
دین سے بھی رہے وفا داری
تب یہ اشعار حضرت سعدیؒ
ہوئے ان کی زبان پر جاری
اے کریے کہ از خزانہ غیب
گہرو ترسا وظیفہ خور داری
دوستاں اس را کجا کنی محروم
تو کہ با دشمنان نظر داری

نیشنل ایتھم

(یہ قومی ترانہ ایڈیٹر دن ریویو مولانا ظفر علی خاں کی فرمائش پر شروع بحوالہ ۱۹۰۷ء

میں لکھا گیا تھا)

جو دل کرتے ہیں حق کی پاسبانی
خدا کا ان پہ ہے لطف نہانی
سمجھتے ہیں جو قرآن کے معانی
سنا ہے میں نے یہ اُن کی زبانی
ہنوز آں ابرِ رحمت درفشِ است
خم و خُفخانہ بامہر و نشانِ است
سرورِ قلب و حرزِ جاں ہے اسلام
معینِ شاہی و شاہاں ہے اسلام
جہاں میں با سروِ سماں ہے اسلام
ابھی تک حافظِ ایماں ہے اسلام
ہنوز آں ابرِ رحمت درفشِ است
خم و خُفخانہ بامہر و نشانِ است
مساجد میں وہی شورِ اذان ہے
وہی اللہ اکبر برزباں ہے
وہی جوشِ دلِ اسلامیان ہے
وہی رت ہے وہی اب تک سماں ہے
ہنوز آں ابرِ رحمت درفشِ است

خم و خنکانہ بامہر و نشان است
 دلوں میں ہے خدا کی یاد اب تک
 طبیعت ذکر سے ہے شاداب تک
 بہت ہیں صاحب ارشاد اب تک
 بہت ہیں باغ دیں آباد اب تک
 ہنوز آں ابر رحمت درفشان است
 خم و خنکانہ بامہر و نشان است
 عیاں ہے پر تو روئے محمد ﷺ
 مشام جاں میں ہے بوئے محمد ﷺ
 رواں ہیں قافلے سوئے محمد ﷺ
 وہی ہے رونق کوئے محمد ﷺ
 ہنوز آں ابر رحمت درفشان است
 خم و خنکانہ بامہر و نشان است
 دلوں میں کیوں تمہارے ہے یہ خامی
 نہیں فطرت میں کچھ بدانتظامی
 ابھی تک یاد حق ہے دل کی حامی
 سنو یہ نغمہ استاد جامی
 ہنوز آں ابر رحمت درفشان است
 خم و خنکانہ بامہر و نشان است
 یہ برٹش سلطنت کے ہیں عواطف
 کہ مذہب کی نہیں ہے وہ مخالف

تو کیوں ہوتے نہیں تم اس سے واقف
 کہ کہتی ہے نگاہ چشم عارف
 ہنوز آں ابر رحمت درفش است
 خم و خمخانہ بامبر و نشان است
 رسول اللہ کو دنیا نے مانا
 زبانوں پر ہے اب ک وہ فسانہ
 نہیں اسلام سے خالی زمانا
 سنو اکبر یہ قومی ترانہ
 ہنوز آں ابر رحمت درفش است
 خم و خمخانہ بامبر و نشان است



خدا علی گڑھ کے مدرسے کو تمام امراض سے شفا دے
 بھر ہوئے ہیں رئیس زادے شریف زادے
 لطیف و خوش وضع چست و چالاک و صاف و پاکیزہ شاد و خرم
 طبیعتوں میں ہے ان کی جودت دلوں میں ان کے ہیں نیک ارادے
 کمال محنت سے پڑھ رہے ہیں کمال غیرت سے بڑھ رہے ہیں
 سوار مشرق کی راہ میں ہیں تو مغربی راہ میں پیادے
 ہر اک ہے ان میں کایٹیک ایما کہ آپ اسے چاہتے ہیں جیسا
 دکھائے محفل میں قدر رعنا جو آپ آئیں تو سر جھکا دے
 فقیر مانگے تو صاف کہہ دیں کہ تو ہے مضبوط جا کما کھا

قبول فرمائیں آپ دعوت تو اپنا سرمایہ کل کھلا دے
 بتوں سے ان کو نہیں لگاؤ سسوں کی لیتے نہیں وہ آہٹ
 تمام قوت ہے صرف خود ان نظر کے بھول ہیں دل کے سادے
 نظر بھی آئے جو زلف چچاں تو سمجھیں یہ کوئی پالسی ہے
 الٹراک لائن اس کو سمجھیں جو برق و ش کوئی مسکرا دے
 نکلتے ہیں کر کے غول بندی بنام تہذیب درد مندی
 یہ کہہ کے لیتے ہیں سب چندے ہمیں جو تم دو تہیں خدا دے
 انہیں اسی بات پر یقین ہے کہ بس یہی اصل کار دیں ہے
 اسی سے ہوگا فروغ قومی اسی سے چمکیں گے بات دادے
 مکان کالج کے سب کمیں ہیں ابھی انہیں تجربے نہیں ہیں
 خبر نہیں ہے کہ آگے چل کر ہے کیسی منزل ہیں کیسے جاوے
 دلوں میں ان کے ہے نور ایمان قوی نہیں ہے مگر نگاہاں
 سوائے منطق ادائے طفلی یہ شمع ایسا نہ ہو بجھا دے
 فریب دے کر نکالے مطلب سکھائے تحقیر دین و مذہب
 مٹا دے آخر کو وضع ملت نمود ذاتی کو گو بڑھا دے
 یہی بس اکبر کی التجا ہے جناب باری میں یہ دعا ہے
 علوم حکمت کا درس اُن کو پروفیسر سمجھ خدا دے



ترجمہ قول یکے ازا کا ہر یورپ

یہ شیخ اکبر سے اتنا کیوں خفا ہے
یہ کیوں غیظ و غضب جو رو جفا ہے
نہیں ہے اس میں جھگڑے کی کوئی بات
یہ اک قول حکیم باعفا ہے
نہ ہو مذہب میں جب زور حکومت
تو وہ کیا ہے فقط اک فلسفہ ہے



بلبل ہیں آج ہم چمنستان کمپ کے
پروانہ کل بنیں گے گلیسا کے لمپ کے
فکر بہشت و کوثر و تسنیم ہو چکی
اب پارک کا خیال ہے چرچے ہیں پمپ کے
رکتے تھے جو بزرگ قدم پھونک پھونک کر
خوگر ہوئے ہیں لیپ کے اسکپ کے جپ ۳۲ کے



نہ نماز ہے نہ روزہ نہ زکوٰۃ ہے نہ حج ہے
تو خوشی پھر اس کی کیا ہے کوئی جنت کوئی حج ہے
جو خیال ہیں نرالے تو مذاق ہیں انوکھے
نہ وہ وضع قوم کی ہے نہ وہ شان ہے نہ دھج ہے

کوئی ان میں ہے جو ایسا کہ جو دون کی ہے لیتا
 جو اسے بھی چھیڑ دیکھا تو وہ کتراز کھرج ہے
 جو کر آئے سیر لندن ہیں اسیر کبرو فیشن
 جو یہیں گئے ہیں بن ٹھن انہیں اینڈ ہے گرج ہے
 نہیں کوئی صاف سینہ بہم ان میں بھی ہے کینہ
 یہ انہیں کہیں کینہ وہ انہیں کہیں ایچ ہے
 کہیں میم کا ہے پھندہ کوئی دخت رز کا بندہ
 ہے پھر اس پہ ناز و خندہ کہ دل اس میں کیا حرج ہے



پاتی ہیں قومیں تجارت سے عروج
 بس یہی ان کے لیے معراج ہے
 ہے تجارت واقعی اک سلطنت
 زور یورپ کو اسی کا آج ہے
 لفظ تاجر خود ہے اے اکبر ثبوت
 دیکھ لو تاجر کے سر پر تاج ہے



تمہاری اصل خدا کا کلام واضح ہے
 عبث یہ ولولہ نقل قوم فاتح ہے
 سنو یہ بات جو مجموعہ نصائح ہے
 وہی ہے باعث عزت عمل جو صالح ہے



نہ ہو جو مذہب و ملت کے ساتھ ہمدردی
زمانہ صاف کہے گا کہ ہے یہ نامردی



انہیں کے واسطے مئے کا سرور زیبا ہے
انہیں کے دل میں طرب کا وفور زیبا ہے
انہیں کو روئے زمیں پر غرور زیبا ہے
مرے لئے فقط امید حور زیبا ہے



اسی امید میں ساری ترقیاں سمجھیں
جو آپ حور کے معنی کی خوبیاں سمجھیں



کرزن سجا

سجا میں دوستو کرزن کی آمد آمد ہے
گلوں میں غیرت گلشن کی آمد آمد ہے
رکس و رجب و نواب منتظر ہیں بہ شوق
کہ نائب شاہ لندن کی آمد آمد ہے
وہ ہو کے آتے ہیں قائم مقام قیصر ہند
ستاروں میں مہر روشن کی آمد آمد ہے
ہیں ان کے ساتھ میں اتنے اکابر یورپ
کہ گویا دہلی میں لندن کی آمد آمد ہے
غرض یہ ہے کہ ہو تکمیل زینت و رونق
ہر ایک علم کی ہر فن کی آمد آمد ہے
کمر بندھی نظر آتی ہے آب و آتش کی
ادھر سے تل ادھر انجن کی آمد آمد ہے
دکھا رہے ہیں ہنر مند خواب مہناتیں
دلوں میں حالت روشن کی آمد آمد ہے
امنڈ رہی ہے ہر اک سمت سے فراوانی
ہر ایک جنس کے خرمین کی آمد آمد ہے
درد فوج سے ہے زرق برق کا عالم
جدھر کو دیکھئے پلٹن کی آمد آمد ہے
چمک ہے کرچوں کی ہر سو گمگ ہے توپوں کی

چما چم اور دندن کی آمد آمد ہے
چہل پہل ہے انگلیں ہیں جوش مستی ہے
بہار عیش پہ جو بن کی آمد آمد ہے
جو پیر ہیں انہیں ہیں دلوے جوانی کے
جوان ہیں تو لڑکپن کی آمد آمد ہے
تمام مذہب و ملت میں ہے کشش پیدا
مغان و شیخ و برہمن کی آمد آمد ہے
گرہ میں زر نہیں اور ٹیم نام لازم و فرض
اسی سبب سے مہاجن کی آمد آمد ہے
اُہارے رکھتا ہے اکبر کے دل کو فیض سخن
اگرچہ پیری و پنشن کی آمد آمد ہے



آمد اقبال پری

اقبال پری آئی جو انداز بدل کر
دنیا کی ہوا ساتھ ہوئی ساز بدل کر



غزل اقبال پری کی زبانی

ہوں ناز سے معمور حکومت سے بھری ہوں
زریں مراد امن ہے میں اقبال پری ہوں
ہر شعلہ مقابل مرے چہرے کے ہے بے نور
کہتا ہے کہ ہوں بھی تو چراغ سحری ہوں
ہر ڈھنگ سے دکھلاتی ہوں شان اپنی جہاں کو
ہر رنگ میں میں مست مئے جلوہ گری ہوں
انگلینڈ پہ ہوں سایہ فگن حکم خدا سے
شاہنہ اڈورڈ کی صورت پہ مری ہوں



مبارک باد بچ کی طرف سے
قوم انگلش کو یہ دربار مبارک ہووے
لارڈ کرزن سایہ سردار مبارک ہووے
ہو مبارک شہ انگلینڈ کو تخت و تہیہ
مجھ کو یہ طبع گہر بار مبارک ہووے



نصیحت اخلاقی

بیٹے کو لوگ کہتے ہیں آنکھوں کا نور ہے
ہے زندگی کا لطف تو دل کا سرور ہے
گھر میں اسی کے دم سے ہر سمت روشنی
مازاں ہے اس پہ باپ تو ماں کو غرور ہے
خوشی قسمتی کی اس کو نشانی سمجھتے ہیں
کہتے ہیں یہ خدا کے کرم کا ظہور ہے
اکبر بھی اس خیال سے کرتا ہے اتفاق
اس کا بھی ہے یہ قول کہ ایسا ضرور ہے
البتہ شرط یہ ہے کہ بیٹا ہے ہونہار
ماںل ہے نیکیوں پہ برائی سے دور ہے
سنتا ہے دل لگا کے بزرگوں کی پنہ کو
وقت کلام لب پہ جناب و حضور ہے
برتاؤ اس کا صدق و محبت سے ہے بھرا
اس میں نہ ہے فریب نہ ہی مکرو زور ہے
افکار والدین میں ہے دل سے وہ شریک
ہمدرد ہے معین ہے اہل شعور ہے
راضی ہے اس پہ باپ کی جو کچھ ہو مصلحت
صابر ہے باادب ہے عقیل و غیور ہے

رکھتا ہے خاندان کی عزت کا وہ خیال
 نیکوں کا وست صحبت بد سے نفور ہے
 کسب کمال کی ہے شب و روز اس کو دھن
 علم و ہنر کے شوق کا دل میں و نور ہے
 لیکن جو ان صفات کا مطلق نہیں پتا
 اور پھر بھی ہے خوشی تو خوشی کا قصور ہے



انظم قومی حسب فرمائش نواب محسن الملک بہادر
 مسلمانوں بتاؤ تو تمہیں اپنی خبر کچھ ہے
 تمہارے کیا مدراج رہ گئے اس پر نظر کچھ ہے
 اگر کچھ ہے تو سوچو دل میں بھی اس کا اثر کچھ ہے
 حریفوں کی تعلی باعث سوز جگر کچھ ہے
 تمہیں معلوم ہے کچھ رہ گئے ہو کیا سے کیا ہو کر
 کدھر آٹکے ہو راہ ترقی سے جدا ہو کر
 کوئی آگے نہ تھا تم سے ترقی کی تگ و دو میں
 کوئی دس میں چمکتا تھا تو تم ممتاز تھے سو میں
 تمہیں نے فرق بتلایا تھا سب کو گندم و جو میں
 تمہیں سے سیکھ کر بنتی تھیں عالم مغربی تو میں
 شرف پایا تھا تم نے امتیاز حق و باطل سے
 مخالف بھی تمہاری قدر دانی کرتے تھے دل سے

تمہاری عزتیں تھیں اوج تھا رتبہ تھا شانیں تھیں
 تمہاری بات تھی احکام تھے کہنا تھا آئیں تھیں
 تمہارے ذکر میں سرگرم دنیا کی زبانیں تھیں
 تمہیں تم تھے زمانہ میں تمہاری داستانیں تھیں
 غرور و ناز کم کرنا پڑا تھا ایک عالم
 سر تسلیم خم کرنا پڑا تھا ایک عالم کو
 تمہارا اتفاق باہمی دیوار آہن تھا
 مخالف ایک کا جو تھا وہ گویا سب کا دشمن تھا
 تمہاری ہمتوں کا عرش اعظم پر خمیں تھا
 تمہارے ہاتھ میں آفاق کا ہر علم و ہر فن تھا
 تم اپنی حق پرستی سے دبا لیتے تھے دنیا کو
 خدا کے سامنے جھک کر جھکا دیتے تھے اعدا کو
 نہ یہ آپس کے جھگڑے تھے نہ یہ ناحق پرستی تھی
 طبیعت پر نہ دیو نفس کی یہ چیرہ دستی تھی
 نہ دل میں بدگمانی تھی نہ ہمت میں یہ پستی تھی
 نظر میں مظہر نور حقیقت ساری ہستی تھی
 تمہاری وضع دلکش تھی تمہاری شان عالی تھی
 خوش اخلاقی تمہاری مظہر شان جمالی تھی
 نہیں ہے ہائے افسوس اب تمہارا وہ چلن باقی
 نہ وہ حسنِ عمل باقی نہ اب وہ حسنِ ظن باقی
 نہ وہ ذوقِ ہنر مندی نہ شوقِ علم و فن باقی

نہ دل میں ہے وہ جوشِ حبِ یارانِ وطنِ باقی
 جو فکریں ہیں تو اپنے نفس کو راحتِ رسانی کی
 توقع کیا اسی پر ہے خدا کی مہربانی کی
 غضب ہے حُسنِ اسلامی سے خالی سب کا سینہ ہے
 حسد ہے ناتواں بینی ہے بے مہری ہے کینا ہے
 بس اپنے ہی مزے کے واسطے ہر اک کا جینا ہے
 یہی قومی ترقی کا ذرا سوچو تو زینا ہے
 کہاں ہے اب مسلمانوں میں باہم بغرضِ الفت
 جو باقی شاعروں میں ہے تو ہے وہ اک مرضِ الفت
 میں تم سے کیا کہوں اس وقت دل پر کیا گذرتی ہے
 تصورِ دل میں آتا ہے تو آنکھ اشکوں سے بھرتی ہے
 طبیعت بات کرنے کو بھی مشکل سے ٹھہرتی ہے
 خلشِ سینہ میں ایسی ہے کہ وہ بے چین کرتی ہے
 مرادِ دبستِ اندرِ دل اگر گویم زباں سوزد
 وگرم و رکشم ترسم کہ مغزِ استخوانِ سوزد
 وہ باتیں جن سے تو میں ہو رہی ہیں نامور سیکھو
 اُٹھو تہذیب سیکھو صنعتیں سیکھو ہنر سیکھو
 بردحاؤ تجربے اطرافِ دنیا میں سفر سیکھو
 خواصِ خشک و تر سیکھو علوم و بحر سیکھو
 خدا کے واسطے اے نوجوانو ہوش میں آؤ
 دلوں میں اپنے غیرت کو جگہ دو جوش میں آؤ

خُن معقول و موزوں ہو تو سب کا دل بہلتا ہے
 کلام خوش کلاماں رنگ بامعنی بدلتا ہے
 زباں سے نعرہ مدح و ثنا ہر دم نکلتا ہے
 مگر شوقِ عمل ہو واقعی تب کام چلتا ہے
 توجہ گر نہیں دل سے تو پھر تاثیر کیوں کر ہو
 کلام دلکش اکبر ہو یا مہدی کا لکچر ہو



ڈارون ۳۳ صاحبِ حقیقت سے نہایت دور تھے
 میں نہ مانوں گا کہ مورث آپ کے لنگور تھے
 اپنی حالت کے مطابق چاہیے طرزِ عمل
 اس سے کیا ہوتا ہے دادِ قیصر و نغفور تھے
 اس تقرب پر ہمیں کچھ فخر کا موقع نہیں
 پاس گو بیٹھے تھے لیکن ان کے دل سے دور تھے
 ہوائے الحاد رنگِ ملت کو ہر روش پر بدل رہی ہے
 جو بات بگڑی بنے وہ کیونکر چل گئی وہ چل رہی ہے
 ہمیں نے در اس ہوا پہ کھولا کیا اسے چپ جو کوئی بولا
 ہمیں ہے خود اب تر و داس کا طبیعت اب ہاتھ مل رہی ہے
 نہ عاقبت کا کسی کو ڈر ہے نہ عزت و قوم پر نظر ہے
 سروں میں سودا سارا رہا ہے دلوں سے غیرت نکل رہی ہے
 جو پیشوا خود ہوں رند مشرب تو کیا جے رنگ و غظ مذہب

قلوب شیطان کے قمع ہیں زبان قرآن پہ چل رہی ہے
 کرتی ہیں باخبر ہیں ہر جانیں ہے چہ چوں میں اس کا چہ چہ
 ہمیں نے سمجھا ہے مہد اس کو اسی میں اب نسل پل رہی ہے
 جو قوم ہمایہ ہے ہماری نہیں ہے اس پر بلا یہ طاری
 ہم اپنی مستی میں گر رہے ہیں وہ ہوش میں ہے سنبھل رہی ہے
 ہم اپنی صورت بگاڑتے ہیں بنا رہی ہے وہ اپنے گھر کو
 ہم اپنے نقشہ مٹا رہے ہیں وہ اپنے سانچے میں ڈھل رہی ہے
 خدا کی ساعت ہیں یاں کی صدیاں چھپی نہیں ہیں ہماری بدیاں
 بلائیں آئیں اور آ رہی ہیں کوئی گھڑی ہے کہ ٹل رہی ہے
 زبان اکبر میں کب یہ قدرت کہ کہہ سکے راز سوز حسرت
 وہ شمع اس کو بیاں کرے گی جو گورسید پہ جل رہی ہے



چاہا جو میں نے ان سے طریق عمل پہ وعظ
 بولے کہ نظم ذیل و ارقام کیجئے
 پیدا ہوئے ہیں ہند میں اس عہد میں جو آپ
 خالق کا شکر کیجئے آرام کیجئے
 بے انتہا مفید ہیں یہ مغربی علوم
 تحصیل ان کی بھی سحر و شام کیجئے
 یورپ میں پھریئے پیرس و لندن کو دیکھئے
 تحقیق ملک کا شاعر و شام کیجئے

ہو جائے طریقہ مغرب پہ مطمئن
 خاطر سے محو خطرہ انجام کیجئے
 پیران بے فرغ کا گل ہو چکا چراغ
 ناحق نہ دل کو تابع اوہام کیجئے
 رکھے نہ دل کو دیر و کیسا سے منحرف
 متروک قید جامہ احرام کیجئے
 الفاظ کفر و فسق کو بس بھول جائے
 ہر ملت و طریق کا اکرام کیجئے
 رہے جہاں میں وسعت مشرب سے نیک نام
 مجھ کو مرید ہندوؤں کو رام کیجئے
 رکھے نمود و شہرت و اعزاز پر نظر
 دولت کو صرف کیجئے اور نام کیجئے
 سامان جمع کیجئے کوٹھی بنائے
 باصد خلوص دعوت حکام کیجئے
 آرائشوں سے گھر کو مہذب بنائے
 تزئین طاق و سقف و درو بام کیجئے
 یاران ہم مذاق سے ہم بزم ہو جیئے
 موقع ملے تو شغل ملے و جام کیجئے
 چشم و لب ہتاں سے بھی غافل نہ ہو جیئے
 تکمیل شوق پستہ و بادام کیجئے
 نظارہ ہسان سے ترو تازہ رکھے آنکھ

تفریح پارک میں سحر و شام کیجئے
مذہب کا نام لیجئے عامل نہ ہو جئے
جو متفق نہ ہو اسے بدنام کیجئے
طرز قدیم پر جو نظر آئیں مولوی
پلک میں ان کو مور و الزام کیجئے
زنجیر فقہ توڑیے کہہ کر خلاف شرع
مضمون لکھئے دعوئے الہام کیجئے
ممنوع ہے تعدد ازواج خاص کر
یوں گھوم پھر کے تنہیہ عام کیجئے
قومی ترقیوں کے مشاغل بھی ضرور
اس مد میں بھی ضرور کوئی کام کیجئے
لڑکے نہ ہوں تو ہو نہیں سکتی چہل پہل
فکریں پئے وظیفہ و انعام کیجئے
تختہیل چندہ کیجئے لڑکوں کو بھیج کر
سارا علاقہ ہند کا اب خام کیجئے
بے رونقی سے کاٹے کیوں اپنی عمر کو
کیوں انتظار گردش ایام کیجئے
جو چاہیے وہ کیجئے بس یہ ضرور ہے
ہر انجمن میں دعوئے اسلام کیجئے
لیکن نہ بن پڑیں جو یہ باتیں حضور سے
مردوں کے ساتھ قبر میں آرام کیجئے



میں دیکھتا ہوں صلح و محبت ہے اٹھ گئی
ہر دل سے ہر گروہ سے ہر خاندان سے
اس کا سبب نہیں ہے سوا اس کے اور کچھ
یعنی کہ اٹھ گیا ہے خدا درمیان سے



تعجب سے بنے لگے بابو صاحب
گورنمنٹ سید پہ کیوں مہربان ہے
اسے کیوں ہوئی اس قدر کامیابی
کہ ہر بزم میں بس یہی داستان ہے
کبھی لاٹ صاحب ہیں مہمان اس کے
کبھی لاٹ صاحب کا وہ میہماں ہے
نہیں ہے ہمارے برابر وہ ہرگز
دیا ہم نے ہر صیفے کا امتحان ہے
وہ انگریزی سے کچھ بھی واقف نہیں ہے
یہاں جتنی انگلش ہے سب برزباں ہے
کہا ہنس کے اکبر نے اے بابو صاحب
سنو مجھ سے جو رمز اس میں نہاں ہے
نہیں ہے تمہیں کچھ بھی سید سے نسبت
تم انگریزی داں ہو وہ انگریز داں ہے



طبع ۴۴ سجھی کہ بلندی میں بڑھی جاتی ہے
زلف ۵۳ خوش ہے کہ یہ پھانسی پہ چڑھی جاتی ہے
وہ ہے نا فہم یہ عیار محل ہے نازک
اہل بینش میں یہ اک نظم پڑھی جاتی ہے



دارِ دآں آفتِ جاں حسن و جمال عے
چشمِ مست عے دارد و خال عے
او بتا راج و لم مائل و من مائل او
او بہ فکر عے من بہ خیال عے



۸۷۸ء کے ایک گم شدہ مضمون کے چند

اشعار

اک رنگ پہ پھریاں کوئی شے رہ نہیں جاتی
وہ شوکت و شانِ جسم و کئے رہ نہیں جاتی
یورپ کی ترقی کا چمکتا ہے ستارہ
توقیرِ عربِ عظمتِ رے رہ نہیں جاتی
دکھ نظر آتا ہے بہت لفظِ نومبر
ترنینِ رُخ بہنِ ودے رہ نہیں جاتی
گڈ بائی کا نل مچتا ہے اطراف جہاں میں
تسلیم نہیں رہتی ہے جے رہ نہیں جاتی
عالم کو لبھاتی ہیں پیانوں کی صدائیں
ببل کے ترانوں میں وہ لے رہ نہیں جاتی
آجنگِ طرب کے لیے چھڑتے ہیں نئے ساز
ومسازیِ احباب کو نے رہ نہیں جاتی
رندوں سے بدل جاتی ہیں ساقی کی نگاہیں
وہ گردشِ پیانہ وہ مے رہ نہیں جاتی
ہوتی ہے بہت سخت یہ منزل مگر اکبر
ہمت ہو تو پھر ماشدہ طے رہ نہیں جاتی



یہ قطعہ ۱۹۰۷ء میں حسب فرمائش منج لکھا گیا

زمزمہ اوج فلک پر ہے یہی ہر برڈ ۳۶ کا
ہے یہی منہوم روئے ارض پر ہر ورڈ ۳۷ کا
زینت گیتی ہے ملک اعظم برطانیہ
مکہ بیٹھا ہے دلوں میں حضرت اڈورڈ کا



رابعہ صاحب سے شیخ جی نے کہا
اب بھروسہ حضور پر نہ رہا
مجھ کو چھوڑا امام باڑے میں
پہنچے خود نیچری اکھاڑے میں
جیب خالی پکرا کیا بندہ
لے گئے غیر اس قدر چندہ
رابعہ صاحب نے ہنس کے فرمایا
کیوں مزاج آپ کا ہے گرمایا
بزم قومی میں میں شریک ہوا
جو ہوا ہر طرح سے ٹھیک ہوا
آپ پر بار صرف ڈاڑھی ہے
یاں ریاست کی فکر گاڑھی ہے
جب حکومت کرے خود اس کا وٹنس
کیوں نہ ہو میں شریک کانفرنس

مجھ کو ہے شوق علم و دانش سے
 کیوں میں رکتا پھر اپنی خواہش سے
 نہ ہو تسکین وہ جو یہ توضیح
 تو میں کر دوں گا دوسری تشریح
 مجھ پہ کرتا تھا اعتراض حریف
 دل میں آیا میرے یہ شعر لطیف
 دفتر اعتراض سوختہ بہ
 دہن اوہ چندہ سوختہ بہ



سن رہے تھے سماع مولانا ۳۸
 اسی حالت میں انتقال ہوا
 واہ کیا خوش نصیب تھے حضرت
 عالم وجد میں وصال ہوا



حضرت کی وفات سے ہے ہر اک دل درویش
 رکھتے تھے عزیز ان کو بیگانہ و خویش
 کیا کیا صفتیں تھیں جمع ان میں اکبر
 حافظ ۳۹۔ حاجی۔ طبیب۔ عالم۔ درویش



ممدوح خاص و عام ہیں لالہ نہال چند
 دران کے فیض کا کبھی رہتا نہیں ہے بند
 چندے وصول کرنے کو ہیں پیشوا بہت
 سب کرتے ہیں مباحث قرآن و دید وژند
 ممکن دین و سخت جو ہوتا ہے کوئی کام
 اس وقت میں جناب ہی ہوتے ہیں درد مند
 حکام کے حضور میں کرتے ہیں التماس
 قانون سے جو ہوتا ہے کچھ شبہ گزند
 تقریر رنٹ بل پہ جو کی ملک بول اٹھا
 ایں کارانہ تو آید و مرداں چنیں کنند



۱۹۰۷ء آغا تشریف آوری امیر حبیب اللہ خاں میں کہا گیا تھا

خلاف حق چو حریفان زراہ میگردند
 ز فیض حکمت اورو براہ میگردند
 مکر است بہ ہندوستان شہ کابل
 بتاں بہ گرو حبیب الہ میگردند



بعلالت ۱۹۰۵ء

موت چل دی میری مِشت استخوان کو سونگھ کر
چونک اٹھا اکبر غرض خواب گراں سے اوگ کر
یہ سمجھنا چاہئے خالق نے جو صحت یہ دی
ہر استغفار اپنے فضل سے مہلت یہ دی



سید جلال الدین طہرانی ایڈیٹر جبل التین
تلغرائے چوہر ستادی زارہ لطف و مہر
جوش زواز دل سرور و لطفہا اندو ختم
بسکہ شوق دعوت و اسپیج در دل داشتہم
مٹھلے ترتیب دادم شمعہا افزو ختم
خام خاص از اپنے آوردنت رفتہ بہ ریل
نصف شب درانتظارت دیدہ بردرد ختم
چوں شنیدم فسخ کر دی عزم و رفتی بیدریغ
شمع را خاموش کردم خود سراپا سو ختم



تھا باعث الم مرض جانگنائے قوم
مدت سے سن رہے تھے علی گڑھ میں ہائے قوم
آخر اودھ نے کالج طبعی بنا
شکرِ خدا کہ ہوگئی پیدا دوائے قوم



ملاں کا تو محل اے حضور کچھ بھی نہیں
خدا گواہ ہے میرا قصور کچھ بھی نہیں
برائے لطف و کرم لائے یہاں تشریف
آلہ آباد علی گڑھ سے دور کچھ بھی نہیں
محبت آپ کی ہے میرے دل میں مستحکم
میں صاف لکھتا ہوں یہ مکرو زور کچھ بھی نہیں
وہ امر آپ کی جانب سے میں نہ سمجھاؤں
یہ چاہے کہیں کہ تھ کو شعور کچھ بھی نہیں



بعد پنشن کے تھنغ سے مجھے ساز نہیں
ہوں جو بے شغل تو اکبر یہ کوئی راز نہیں
گو اب آزاد ہوں لیکن مری صحت ہے خراب
پر کھلے ہیں مگر اب طاقت پرواز نہیں



ڈپوٹیشن کی سرسبزی جو دیکھی اس نے شملے میں
برہمن نے کہا یہ شاخ بیدار ایسے گیلے میں
کہا مہدی نے بھائی تم کو کیوں اس درجہ حیرت ہے
تمہارے واسطے یہ کیا محل رشک و غیرت ہے
تعجب کیا ہے ہم اس بت کے پہلو میں جو لیٹے ہیں

حرم کے محترم کیا دیر کے خادم سے بیٹھے ہیں
 برہمن نے کہا بس آپ کی باتیں ہی باتیں ہیں
 اچی یہ وصل کی راتیں نہیں ہیں ان کی گھاتیں ہیں
 کہا مہدی نے ہم کو تو مزے سے اپنے مطلب ہے
 محبت ہو نہ ہو ان کو امید اس کی یہاں کب ہے
 برہمن نے کہا ایسا مزا اعضا کا مضعف ہے
 کہا مہدی نے ہاں اس بات سے بندہ بھی واقف ہے



وفات سرسید مرحوم پر

ہماری باتیں ہی باتیں ہیں سید کام کرتا تھا
 نہ بھولو فرق جو ہے کہنے والے کرنے والے ہیں
 کہے جو چاہے کوئی میں تو یہ کہتا ہوں اے اکبر
 خدا بخشے بہت سی خوبیاں تھیں مرنیوالے میں



دیکھی جو نمائش چکا کو
 دل نے کہا دین سے کہ بھاگو
 اتنے میں اجل پکاری سر پر
 بس ہو چکا خواب زبست جاگو



شروع سنہ میں میں آؤں گا واں تم اپنی ماں کو لکھ چکے ہو اس
تو دیر پھر کیوں لگا رہے ہو یہ کیا تامل ہے کیوں رکے ہو
مجھی کو سمجھو تم اپنا قبلہ سر ادب کو یہیں کرو خم
وہاں کے چہ چوں میں لطف کیا ہے جسے اٹھانے کو تم جھکے ہو
علم باری میں یہ تپ موت کی تمہید نہ تھی
ورنہ ظاہر میں تو کچھ زیت کی اُمید نہ تھی



عمدہ مچھلی مسلم و خام ملی
تھفہ پایا مراد خدام ملی
ممنون کریم کیوں نہ ہوں اے اکبر
وہ دام میں لائے مجھ کو بیدام ملی



اک دوست ہمارے ہیں تپ ان کو شدید آئی
جھیا کئے بیماری مدت میں شفا پائی
لاہور کے جلے میں شرکت کو ہیں اب جاتے
حالانکہ ابھی قوت پاؤں میں نہیں پاتے
میں کہتا ہوں جاتے ہو لاہور بلا قوت
وہ اس کو سمجھتے ہیں لاحول و لا قوۃ
یہ میری غلط بندش وہ ان کی غلط فہمی

میں حد سے بڑا شاعر وہ حد سے سوا وہی



دعوت نامہ بنام علامہ شبلی نعمانی
آتا نہیں مجھ کو قبلہ قبلہ
بس صاف یہ ہے کہ بھائی شبلی
تکلیف اٹھاؤ آج کی رات
کھانا یہیں کھاؤ آج کی رات
حاضر جو کچھ ہو دال دلیا
سمجھو اس کو پلاؤ قلیا



شبلی کا قلم علم کی منزل پہ جما ہے
رفار پہ آنر کی قدم اس کا تہما ہے
چمکی ہوئی ہے بزم سلف اس کے بیان سے
روشن ہیں یہ معنی کہ وہ شمس العلماء ہے



یہ کیا سبب ہے جو رہ رہ کے جی بھر آتا ہے
یہ کیا ہوا جو مجھے شہر کاٹے کھاتا ہے
یہ خون ہوگئی کیوں میرے دل کی رنگینی
یہ داغ دیئے لگی کیوں چمن کی گل چینی
اداس ہوگئی کیوں روح خانہ تن سے

اُچاٹ ہو گئیں کیوں بلبلیں یہ گلشن سے



بخدمۃ اللہ کہ حاصل آپ کو ہر ایک نعمت ہے
ذہانت ہے سعادت ہے شرافت ہے لیاقت ہے
علوم مغربی میں نمبر اول آپ کا آیا
عزیز و دوست جو ہیں سب کو اس سے اک مسرت ہے
گورنمنٹ آپ کی مداح ہے اس قابلیت پر
اکابر قوم کے خوش ہیں ہر اک کو فخر و عزت ہے
پے تکمیل دانش قصد ہے اب ملک مغرب کا
مبارک آپ کے احباب کو یہ جلسہ رخصت
حقیقت میں مبارک وقت ہے اور عمدہ ساعت ہے
بخیر و کامیابی آپ واپس آئیں لندن سے
یہی سب کی دعا اس دم بعد جوشِ طبیعت ہے
زباں پر سب کے جاری ہے یہ شعر حضرت اکبر
کہ جن کی نظم پر نظم ثریا کو بھی حیرت ہے
عطا کر قسمت تصنیف سعدی یا رب اس گل کو
پھلے پھولے زمانہ میں گلستان بوستاں ہو کر
گو دل بیتاب امید وطن پرشاد ہے
شاق لیکن فرقتِ نشی جگن پرشادؒ ہے



خوش بکھر رہی ہے خلقِ خدا صبحِ عید ہے
 ہر سمت زیب و زینت دنیا کی دید ہے
 ہے جشن تاج پوشی قیصر بھی آج ہی
 یہ اتفاق باعثِ لطفِ مزید ہے
 بازارِ دہر پر ہے متاعِ سُرور سے
 بامنتِ فروخت ہے دلکش خرید ہے
 گشتہ ہے کوہِ طرزِ مس خوش خرام کا
 کوئی نگاہِ نازِ بتاں کا شہید ہے
 صوفی کی انجمن میں بھی شاہی کا ہے سماں
 لطفِ نوائے مطرب و نذرِ مرید ہے
 مست اپنے رنگ میں ہیں نئی روشنی کے دوست
 اظہارِ جوشِ طبع بہ طرزِ جدید ہے
 ڈالی کسی نے بھیجی ہے حکام کے حضور
 بیتاب دل میں شوقِ صدور رسید ہے
 جن کے سیوئے دل میں ہے کچھ مایہٴ نشاط
 اس سے شرابِ طولِ اہل کی کشید ہے
 مجھ کو نموشِ دیکھ کے پوچھا یہ چراغ نے
 تو بھی اس آب و رنگ سے کچھ مستفید ہے
 میں نے کہا کہ حالتِ عاشق ہے کچھ اور
 پروانہ ہو وفا کی یہ ان سے بعید ہے
 پیشِ نظر ہمارے ہے شامِ شبِ فراق

اس کی جو ہو سحر تو ہماری بھی عید ہے



لندن کو چھوڑ لڑکے ۴۵۔ اب ہند کی خبر لے
بنتی رہیں گی باتیں آباد گھر تو کر لے
راہ اپنی اب بدل دے بس پاس کر کے چل دے
اپنے وطن کا رخ کر اور رخصت سفر لے
انگلش کی کر کے کاپی دنیا کی راہ ناپی
دینی طریق میں بھی اپنے قدم کو دھر لے
نیچر پکارتا ہے ہے اصل نسل تیری
کہتی ہے ہسٹری بھی بس جا اور اپنا گھر لے
واپس نہیں جو آتا کیا منتظر ہے اس کا
ماں خستہ حال ہو لے بچارہ باپ مر لے
مغرب کے مرشدوں سے تو پڑھ چکا بہت کچھ
پیران مشرقی سے اب فیض کی نظر لے
میں بھی ہوں اک آسن کلام اکبر
ان موتیوں سے آکر دامن کو اپنے بھر لے



کانفرنس احباب سے پ ہے
جو صف ہے وہ سلک در ہے
سب کو یاد استاد کا گر ہے

دلکش ہر اچھے کا سر ہے



قومی ترقی کی رادعا پیاری
بیٹھی ہیں پہنے جوڑا بھاری
نومن تیل کی فکر ہے طاری
چندے کی تحصیل ہے جاری



قوم پر غالب کورٹ کے عملے
عملے ٹھہرے پارک کے گیلے
پھر یہ چندہ کیوں کر دم لے
کتنا ہی لے کوئی پھر بھی کم لے



لائی ہیں سسکیاں بھر کر جھولی
خوب کھلی ہے برج میں ہولی
رنگ میں ڈوبی ہے سب کی چولی
سب نے زباں اس گیت پہ کھولی



شیخ کو الفت ہو گئی مس کی
خوب چنے اب شوق سے واسکی
اگلی دنیا دھر سے کھسکی!

بیٹھا کون ہے شرم ہے کس کی



جمع ہیں ممبر بھولے بھالے
جاڑوں کا موسم پھولے پھالے
آنکھیں پھاڑے دانت نکالے
چندہ دے کر پھنسنے والے



بعض ہیں بادہ و جام کے خواہاں
بعض نمود و نام کے خواہاں
بعض فقط آرام کے خواہاں
کم ہیں فیض عام کے خواہاں



مدعیان رونق دیں ہیں
لیکن باہم بر سرکیں ہیں
واقف فن و ہنر سے نہیں ہیں
کم ہیں ان میں جو آخر میں ہیں



ہر دم قوم کا رونا کیا ہے
ان باتوں سے ہونا کیا ہے
مفت میں روپیہ کھونا کیا ہے

شور زمیں میں یوں کیا ہے



دیکھ کے اک باضابطہ بچکی
دنیا آپ کی جانب لپکی
آپ نے سب کی دولت سہپ کی
بزم جمالی خالی گپ کی



یہ وادی ہے طور سے خالی
یہ محفل ہے نور سے خالی
یہ جنت ہے حور سے خالی
پاس سے خالی دور سے خالی



دیکھتا ہے اک عمر سے بندا
بس یہی باتیں اور یہی پھندا
ہوتا ہے کچھ کام نہ دھندا
لاؤ چندہ لاؤ چندہ



سید کا جو عہد مشن تھا
اس کے کا ٹھیک چلن تھا
حسب ضرورت طرزِ سخن تھا

وقت وہ اور تھا اور وہی سن تھا



بگڑا دیکھا بیٹا بھتیجا
ایک کا چہلم ایک کا تیجا
دل کہتا ہے بات کو پی جا
ساکت ہو دکھلا کے نتیجہ



بھائیوں پر منہ آئے جانا
گائے گیت کو گائے جانا
اگلا قصہ سنائے جانا
اُترا ڈھول بجائے جانا



بیٹھے روتے ہیں جن کے لڑکے
دوڑتے ہیں بنگلوں پر مڑکے
دل میں یہی رہتے ہیں دھڑکے
مار نہ بیٹھے کوئی بگڑ کے



کیوں رنگِ حق پوش میں آؤ
غیرت پکڑو جوش میں آؤ
مذہب کے آغوش میں آؤ

غافل بندو ہوش میں آؤ



ایک انگریز نے بات یہ کہدی
جس نے ترقی وہ دی یہ دی
اس بازی کی ہمیں نے شہہ دی
کیسے سید کیسے مہدی



گرمیوں میں بچوں کو تھکانا
شہروں شہروں بھیک منگانا
اور اس پر یہ بات بنانا
مفلس لڑکوں کا ہوگا ٹھکانا



آپ کہیں معیوب نہیں ہے
ہم کو تو مرغوب نہیں ہے
عمدہ یہ اسلوب نہیں ہے
ہاں یہ طریقہ خوب نہیں ہے



اس سے بگڑتی ہے قومی حالت
جانی رہتی ہے شرم کی خصلت
کہتے ہو ہوگی جو یہ جمعیت

ہوگا میل بڑھے گی الفت



ترپو گے جتنا جال کے اندر
جال گھسے گا کھال کے اندر
کیا ہوا تئیں ہی سال کے اندر
غور کرو اس حال کے اندر



کام بہت ہیں لوکل و ذاتی
ان کی فکر تو کی نہیں جاتی
مفت میں بچوں کو کر کے براتی
قوم کی گاتے ہیں بھائی و فاتی



کینہ ہم کو ہے نہ حسد ہے
دل میں ضد ہے نہ کوئی کد ہے
لیکن یہ ارشاد خرد ہے
بھائی ہر شے کی اک حد ہے



آزادی کی پی کے براڈی
آپ چلاتے ہیں ڈنڈا بانڈی
گاتا ہے قومی کشتی کا ڈانڈی

مکتب گرم ہے سرد ہے ہانڈی



بزم عزا میں کیوں نہ ہو شرکت
جس سے ہو دل میں پیدا عبرت
صوفیوں کی کیوں ڈھونڈیں نہ صحبت
قلب کو جس سے پہنچے فرحت



یہ بے معنی مجلس کیسی
یہ ناحق کی گھس گھس کیسی
یہ بے حکم کی آفس کیسی
یات یہ سٹرم پوئیس کیسی



ہو گیا عقل میں کون اضافہ
خوشبو پھیلی نہ دیکھا نافہ
دیکھ لیا یاروں کا قیافہ
پایا بس خوش رنگ لفافہ



قوم سے اس کی گاڑھی سمانی
آپ نے فقرہ دے کے اڑائی
اور وہ یوں بے سود گنوائی

شاہ اندن تیری روحانی



دوڑاؤ تدبیر کے ریٹے

قوم میں پھیلیں فن اور پیشے

صناعی کے چلاؤ تپتے

تاکہ کٹیں افلاس کے پیشے



تم و فکر جاہ میں الجھے

شہرت و شان کی چاہ میں الجھے

مافہوں کی واہ میں الجھے

دل کیوں کر اللہ میں الجھے



خالق کی توحید سکھاؤ

عقبی کی تمہید سکھاؤ

ملحد کی تردید سکھاؤ

روحانی امید سکھاؤ



مذہب کی تعلیم زبانی

طوطا مینا کی ہے کہانی

ملا جو خود نہ ہو حقانی

پھر تو مکتب ہے شیطانی



جب ہوں گرو جی خود البیلے
خوب رچائیں ملے چلے
راہ پر آئیں کیوں کر چلے
مندر میں کیوں جائیں اکیلے



اگوا خود جب حق سے ہو غافل
دنیا ہی دنیا دل میں ہو داخل
ساتھی کیوں نہ چلیں رہ باطل
کیوں کر دین ہو ان کو حاصل



جس نے خیمہ یہاں پر گاڑا
اس کو مبارک ہو یہ اکھاڑا
لیکن قوم کو کیوں ہے بچھاڑا
اس نفعے پر گا کیوں پھاڑا



عشرتی گھر کی محبت کا مزا بھول گئے
کھا کے لندن کی ہوا عہد وفا بھول گئے
پہنچے ہوٹل میں تو پھر عید کی پروانہ رہی

کیک کو چکھ کے سونیوں کے مزا بھول گئے
 بھولے ماں باپ کو اغیار کے چہ چوں میں وہاں
 سایہ کفر پڑا نور خدا بھول گئے
 موم کی پتلیوں پر ایسی طبیعت پگھلی
 چمن ہند کی پریوں کی ادا بھول گئے
 کیسے کیسے دل نازک کو دکھایا تم نے
 خبر فیصلہ روزِ جزا بھول گئے
 بخل ہے اہل وطن سے جو وفا میں تم کو
 کیا بزرگوں کی وہ سب جو دو عطا بھول گئے
 نقلِ مغرب کی ترنگ آئی تمہارے دل میں
 اور یہ نکتہ کہ مری اصل ہے کیا بھول گئے
 کیا تعجب ہے جو لڑکوں نے بھلایا گھر کو
 جب کہ بوڑھے روشِ دین خدا بھول گئے



بنام نشی ثار حسین صاحب مہتمم پیام یار لکھنؤ
 نامہ کوئی نہ یار کا پیغام بھیجے
 اس فصل میں جو بھیجے بس آم بھیجے
 ایسے ضرور ہوں کہ انہیں رکھ کے کھا سکوں
 پختہ اگر ہوں میں تو دس خام بھیجے
 معلوم ہی ہے آپ کو بندے کا ایڈریس
 سیدھے آلہ آباد مرے نام بھیجے
 ایسا نہ ہو کہ آپ یہ لکھیں
 تعمیل ہوگی پہلے مگر دام بھیجے



مرثیہ کنور عبدالعزیز

دھرم پور آج کیوں اس درجہ وقف حسرت و غم ہے
 یہ کیا باعث کہ ہر طرف اک شور ماتم ہے
 الہی کیا قیامت آگئی ہے کیا یہ عالم ہے
 کہ جس کو دیکھئے مغموم ہے باچشم پر غم ہے
 یہ ماتم ہو رہا ہے کس کی مرگ ناگہانی پر
 گرمی برق اجل بے وقت کس کی نوجوانی پر
 کنور عبدالعزیز اک نوجواں ماں باپ کا پیارا
 گل باغ ریاست اور ہر اک کی آنکھ کا تارا
 اسے دور فلک نے ناگہاں تیر اجل مارا

کسی کا بس نہیں اللہ کی مرضی میں کیا چارا
 تلاطم ہے ریاست میں عزیزوں کا جگر خوں ہے
 ہوا خواہوں کو صدمہ ہے دلِ احباب خروں ہے
 تماٹے دیکھتے ہیں آپ اس دنیائے فانی کے
 ابھی ہے بات کئی کی غلغلے تھے شادمانی کے
 امنگیں تھیں مزے تھے ولولے تھے نوجوانی کے
 عیاں تھے ہر طرف اسبابِ عیش و کامرانی کے
 ابھی یہ دیکھئے آہ و بکا ہے شور و شیون ہے
 جنازہ اٹھ رہا ہے اہتمام گورو مدفن ہے
 رہو خاموش اکبر شور و فریاد و فغاں تاکے
 یہ آہ آتشیں یہ قصہ سوزِ نہاں تاکے
 سمجھ لو خود تمہیں کب تک یہ غم کی داستاں تاکے
 اگر سارے جہاں بھی ہو تو پھر سارا جہاں تاکے
 اگر تاریخِ رحلت تم کو لکھنی ہے صفائی سے
 رہو ساکت ملا دو صبر کو داغِ جدائی سے



قصیدہ مبارک باد جشن جوبلی ملکہ وکٹوریہ

قیصرہ ہند

حسب ایما مسٹر ہاول صاحب حج ۱۲۸۷ھ
زمانے میں خوشی کا دور ہے عشرت کا سماں ہے
برنگ گل ہر اک باغ جہاں میں آج خنداں ہے
کوئن وکٹوریہ کی جوبلی کی دھوم ہے ہر سو
ادھر ہے نغمہ عشرت ادھر نور چراغاں ہے
جدھر دیکھو کھلی پڑتی ہیں کلیاں صحن گلشن میں
بھرا جوش مسرت سے ہر اک مرغ خوش الحان ہے
بسان بوائے گل ہر اک ہے باہر اپنے جامے سے
نسیم گلشن عیش مسرت عطر افشاں ہے
چمک کر ہو گیا زیر فلک رشک قمر ہر گھر
فروغ اپنا جو دکھلاتی ہیں آتشبازیاں ہر سو
کواکب مغفل ہیں دیدہ افلاک حیراں ہے
کہیں ہے رقص کی محفل کہیں ہے جلسہ دعوت
کہیں تصویر بنتی ہے کہیں سرو چراغاں ہے
کہیں خیرات خانے جاری ہوتے ہیں کہیں مکتب
کہیں تقسیم کپڑوں کی پے فصل زمستان ہے
اثر جوش مسرت کا ہے ہر ادنیٰ و اعلیٰ پر
کوئی فرماں روا ہے یا کوئی کم مایہ دہقان ہے

کوئی ہے جو آسائش کوئی مصروف آرائش
 شگفتہ مثل گل چہرہ ہے دل شاداں و فرحاں ہے
 تعجب کیا اگر ایسی خوشی ہے اہل عالم کو
 یہ حیرت کیا جو قیصر کا ہر اک دل سے ثنا خواں ہے
 سر۔ رگرانی پنجاہ سالہ خیر و خوبی سے
 محل لطف باری ہے مقام شکر یزداں ہے
 یہی ہندوستان سب کہتے ہیں جنت نشاں جس کو
 کونین و کٹوریہ کے عہد میں رشکِ گلستان ہے
 رئیس امن و اماں سے ناظرِ حالِ ریاست ہیں
 ہری کھیتی زمینداروں کی ہے سر سبز دہقاں ہے
 کمی بدلی کرے گر قطرہ افشانی میں کیا پروا
 کہ فیض نہر و امان زمیں پر گوہر افشاں ہے
 نظر سلطان کی ہے خاص تعلیم رعایا پر
 اشاعتِ علم کی یہ ہے کہ سب کی عقل حیراں
 ہزاروں مدرسے قائم ہوئے ہیں سینکڑوں کالج
 جہاں فکرِ ارسطو بھی بس اک طفلِ دبستان ہے
 جہاں چلتا نہ تھا کچھ زورواں اب ریل چلتی ہے
 میسر خاکساروں کو بھی اب تختِ سلیمان ہے
 نہ کچھ کھٹکا ہے چوروں کا نہ قزاقوں کی ہے دہشت
 رواں بے زحمت و خوف و خطر ہر سمت انسان ہے
 تجارت کی بھی ایسی ہو رہی ہے گرم بازاری

کہ سامان معیشت جنس دل سے بھی اب ارزاں ہے
 طلسم تازہ دیکھا کارخانہ تار برقی کا
 زبان تار پر وہ بات ہے جو دل میں پنہاں ہے
 شب تیرہ میں بھی وہ نور ہے اقبالِ قیصر کا
 کہ ہر ذرہ نگاہ دُرد میں مہر درخشاں ہے
 رعایا کے حقوق اب ہر طرح محفوظ رہتے ہیں
 ادھر قانون حامی ہے ادھر حاکم نگاہاں ہے
 محبت بڑھ رہی ہے فاتح و مفتوح میں باہم
 گرہ جو دل میں تھی وہ اب مثالی دُر غلطاں ہے
 پریس ۴۸ء کو بھی ہے عہدِ امپرس میں کامل آزادی
 زبانِ خامہ مضمون نگاراں سیفِ بُڑاں ہے
 توجہ ہے مفید عام کاموں کی طرف سب کی
 کوئی ہے علم کا طالب ہنر کا کوئی خواہاں ہے
 شفا خانوں نے ثابت کر دیا ہے اس مقولے کو
 پے ہر رنجِ راحت ہے پے ہر دردِ درماں ہے
 خلوص و صدق دل سے ہے دنا ہندو مسلمان کی
 کہ یارب جب تلک یہ گردِ گردن گرداں ہے
 فروغِ مہر و مہ سے جب تلک ہے زینتِ عالم
 نشاطِ انگیز جب تک انتظامِ بادوِ باراں ہے
 دل اہل جہاں ہے جب تلک مرکزِ تمنا کا
 ہوائے آرزو جب تک محیطِ قلبِ انساں ہے

خدا کا نام کی عزت ہے جب تک اہل دانش میں
تجلی علم کی جب تک چراغ راہ عرفاں ہے
ہماری حضرت قیصر رہیں اقبال و صحت سے
کہ جن کا آفتابِ عدل اس کشور پہ تاباں ہے



خدا اے عسقرقی ۱۹۴۹ تم ہمیشہ شادماں رکھے
خلایق سے تمہیں خوش ان کو تم پر مہرباں رکھے
کرے مملو تمہاری طبع کو رنگیں خیالی سے
تمہارے دُتر دل کو گلستاں بوستاں رکھے



ہند میں میں ہوں مرا نورِ نظر ہے لندن میں ہے
سینہ پر غم ہے یاں لختِ جگر لندن میں ہے
دُتر تدبیر تو کھولا گیا ہے ہند میں
فیصلہ قسمت کا اے اکبر مگر لندن میں ہے



آں نو نہال خوبیِ مادہ دو ہفتہ من
در نو بہارِ عرشِ رفت از فضائے ہستی
چنانہ بے غم سرِ شارو ہمیشہ کرد
رستم سرِ مزارش در بخودی و مستی
آہے زول کشدیم گفتیم کہ اے مہ من

با این کمال و رفعت حیف است میلِ پستی
 آخر چه پشتِ آمد اے شمع محفلِ من
 در گوشه نشستنی و زانجمن گسستی
 آخر چه شد کہ رفتی اے رونق گلستاں
 در موسم بہاراں رنگِ چمن شکستی
 اے برقِ وِش چه داری نسبتِ بگورتیرہ
 اے شعلہ رُو بخاکِ تربت چو نشستنی
 اے خوش نگاہ و اکن چشماں سحر آگس
 چیزے بگو بہ عاشق لبہا چرا بہ بستی
 ناگہ ندائے ازغیب آمد بگوشِ جانم
 کالے پیخِ ز ایماں اے نحو بت پرستی
 آزا کہ شعلہ خوانی و آزا کہ برقی دانی
 آن جملہ بود رنگِ نقشِ ظلم ہستی
 آن رنگہا پرید و بویِش بماند رازے
 رازے کہ کس نداند در بند خود پرستی
 عبرت کشود چشمِ حیرت بہ ہوشم آورد
 در سینہ دفن کردم جوش و خروش ہستی
 تاریخ فوتِ گفتم در صنعتِ عجبے
 بونا بروں شد اکبر از گردِ باغ ہستی



بیکار جگر ہے مضمحل گردہ ہے
جس دوست کو دیکھئے وہ افسردہ ہے
گو بعض زباں سے زندگی ہے ظاہر
دل کو جو ٹٹولے تو وہ مردہ ہے



بہتر ہے یہی کہ اب علی گڑھ چلے
رُکے نہ کسی کے واسطے بڑھ چلے
جس فن کا ہو درس ہو جے اس میں شریک
جو پیش آئے سبق اسے پڑھ چلے



مہدی سا بزرگ صاحب چاہ تو ہے
سنجیدہ کلام کے لیے واہ تو ہے
منزل کا اگر بتا نہیں ہے نہ سہی
دلکش روشیں ہیں دلکشا راہ تو ہے



مندرجہ بالا اشعار ایک لمبی تمہید و تحسین کے ساتھ ۱۶ مئی ۱۹۰۳ء کے انٹیلیٹ
گزٹ میں چھاپے گئے تھے

مولاناؔ کڑوی

پھرے اک مولوی صاحب جو کل دربار دہلی سے
یہ پوچھا میں نے کچھ لائے بھی تم سرکار دہلی
وہ بولے ہنس کے اے اکبر کہوں کیا تجھ سے حال اپنا
اسی مطلع سے بس کرتا ہوں اظہار خیال اپنا
ادھر سرنجی مئے گلگوں کی تھی انڈے کی زردی تھی
ادھر ریش سپید اپنی تھی اور شدت سے سردی تھی



مولاناؔ محو عشق یزدانی تھے
بے شک اس عہد میں وہ لاثانی تھے
بھولیں نہ کبھی انہیں محبانِ رسول ﷺ
یعنی رجبی شریف کے بانی تھے



مولاناؔ محو عشق یزدانی تھے
بے شک اس عہد میں وہ لاثانی تھے
بھولیں نہ کبھی انہیں محبانِ رسول ﷺ
یعنی رجبی شریف کے بانی تھے



ڈپٹی صاحب جو یہ ہیں نہنتِ عبادِ جہاں
پختہ وضعی کے ہیں انداز دکھانے والے

لٹو پتو سے الگ اور زوائد سے بری
 بس مصلے ہی پہ ہیں چھاؤنی
 ساز پر ہاتھ پڑا اور ہوئے رخصت آپ
 رہ گئے کھول کے منہ چین بجانے والے
 انسپکٹر ہیں جو یہ خان بہادر صاحب
 رعب حاکم دل دنیا پہ بٹھانے والے
 نج کے جلسوں میں بھی تہذیب کی تصویر ہیں آپ
 اگلے اسلام کی ہیں یاد دلانے والے
 دوستوں کے لیے بازو کا ہیں تعویذ جناب
 رہزنوں کو ہیں یہ سولی پہ چڑھانے والے
 شان اللہ کی ہیں برکت ۵۲ و اسرار ۵۳ و مجید ۵۴
 ان کے اخلاق کے قائل ہیں زمانے والے
 فیض اُن کا سبب رونق عیش احباب
 تاج زرّیں سر عشرت ۵۵ پہ اڑھانے والے

متفرقات

(الف)



ترے تر تو سے اے جان جہاں ظلمت میں نور آیا
ترے فیضِ تجلی سے یہ ذروں میں شعور آیا



لطافت کو نہ چھوڑے رنگ تیری شادی و غم کا
ہنسی آئے تو پھولوں کی جو رونا ہو تو شبنم کا



ترا چہرہ ہے منظرِ چشمِ شوقِ نورِ عرفاں کا
ترا عشوہ ہے مصدرِ جلوہ ہائے فیضِ یزداں کا



شبابِ عمر نے کھویا طمع نے دین لیا
فلک نے ہم سے بڑی نعمتوں کو چھین لیا



ہوائے دے ۵۶ بھی ہے عنبر افشاں عروج بھی ہے مہِ بسیں کا
بٹار ہونے کی دو اجازت محل نہیں ہے نہیں نہیں کا



تاچند پرسی اے خردِ ایں از کجا ویں از کجا

تو از کجائی ایں بگوتا گویت دیں از کجا



مزے سے زندگی کتنی جو دل قابو میں آجاتا
مگر ایسا تو جب ہوتا کہ وہ پہلو میں آجاتا



مرتبہ اس سے بھی دنیا میں سوا ہو آپ کا
یاد رکھئے گا کہ میں بھی ہوں دعا گو آپ کا



نہ ہو یاد خدا تو نورِ باطن ہو نہیں سکتا
نہ ہو طالع اگر خورشید تو دن ہو نہیں سکتا



بنگالی ہاتھ میں قلم لے تو کیا
مسلم جو مثال بزمِ جم لے تو کیا
ہندی کی نجات ہے نہایت مشکل
سو مرتبہ مر کے جنم لے تو کیا



نہیں ہے رحم قاتل میں یہی ہوتا تو پھر کیا تھا
کہاں ہے صبریاں دل میں یہی ہوتا تو پھر کیا تھا



ہجوم بابل ہوا چمن میں کیا جو گل نے جمال پیدا
واقعی اس کے اثر سے دل بخوبی پک گیا



کدھر ہے رنگِ مخالفت اب زمانہ بالاتفاق بدلا
خود اپنے نورِ نظر کو دیکھو نگاہ بدلی مذاق بدلا



تری ترچھی نظر سے ہم کو ڈر کیا
محبت کی تو پھر دل کیا جگر کیا



اک فلسفہ ہے تیغ کا اور اک سکوت کا
باقی جو ہے وہ تار ہے بس عنکبوت کا



باہم شب وصال غلط فہمیاں ہونیں
مجھ کو پری کا شبہ ہوا ان کو بھوت کا



ہنگام نزع ہوش جو غائب ہوئے تو کیا
اس وقت وہ غرور سے تائب ہوئے تو کیا



مناسب ہے یہی دل پر جو کچھ گذرے اسے سہنا

نہ کچھ قصہ نہ کچھ جھڑا نہ کچھ سننا نہ کچھ کہنا



تماشا دیکھ اکبر دیدۂ عبرت سے دنیا کا
اجل کی نید جب آئے لحد میں جا کے سو رہنا



بت نہ کہتے ہوں جسے یہ ہمارا بندا
ہے بھی ایسا کوئی اللہ کا پیارا بندا



انہیں غمروں میں آساں ہے معافی کا ادا کرنا
مجھے لفظوں میں مشکل ہے بیانِ مدعا کرنا



عشوہ و ناز و ادا سے مسکرانا آگیا
پشیم بد دور آپ کو بجلی گراما آگیا



سراسر جلوۂ حسن متاعِ زلفِ لیلیٰ تھا
محل رشک اس بازار میں محنوں کا سودا تھا



بجھے تھے لوگ جس کو ہمارا انہیں کا تھا
کچھ نل مچا تو یہ بھی اشارا انہیں کا تھا

اب سانس بھی نہ لیں گے دبائیں گا وہ کیوں
ہم کو تو زندگی میں سہارا نہیں کا تھا
اٹھنے دیا نہ کیوں مرے ذرات خاک کو
اے چرخِ اوج پر تو ستارا انہیں کا تھا
آزادیوں کے شوق میں ابھرا تھا دل اگر
اس کی خلا نہ تھی وہ ابھارا انہیں کا تھا



خضر سمجھے ہو جسے غول بیابانی ہے
غلط امید کے جنگل میں تھکا مارے کا
جانستانی میں نہ چھوڑے گا وقتہ باقی
دستانے کے لیے لافِ وفا مارے گا



کفر ہے معنی میں تیرے لفظ ہے اسلام کا
نفس نے اک حیلہ پایا ہے خدا کے نام کا



کہتے ہیں مغلوب ہے اکبر خیالِ خور سے
کہہ دو یہ بہتر ہے جھوٹے بسکٹوں کے پُور سے



راہِ وحشت میں اگر قیس سے لغزش ہو جائے
حیف لیلیٰ پہ جو آمادہ کاوش ہو جائے



وہ دست درازیوں سے کب ہیں تائب
ہے حافظِ دیں یہ شمع فکرِ صائب



رخصت ہو جو علم دیں تو پھر دین بھی جائے
گل ہو جو چراغ ابھی ہو پگڑی غائب



عفو کن یا رب اگر تقویٰ نہ ماند برقرار
دل بہ پہلو بست و کارم با شتاب افتادہ است



چراغِ دیر بھی دلکش حرم کی شمع بھی دوست
اسی سے چشمِ بصیرت نے کہہ دیا ہمہ اوست



ہیں قوسِ دماغ میں مرے سہم بہت
سنئے یہ خیال جس میں ہے وہم بہت
قومی مجلس میں اب سخنِ فہم ہیں کم
دربار میں گو کہ ہیں گزٹ فہم بہت



دیکھ کاری گری حضرت سید اے شیخ
دے گئے لوچ وہ مذہب میں سانی کی طرح
بحر ہستی کا یہی دور چلا جاتا ہے
برف کی طرح جسے بہہ گئے پانی کی طرح



بھروسہ ان پہ کر کے مجھ کو پچھتا پڑا آخر
بڑا دعویٰ کیا تھا میں نے شرمنا پڑا آخر



ولوے اُٹھتے ہیں دل میں دیکھ کر ان کا جمال
حوصلے ہوتے ہیں پست ان کی نظر کو دیکھ کر



مقابل کفر کے تھی وہ نمود اسلام کی اکبر
مگر اب انقلاب دہر سے باقی کہاں کافر



نصاری قبلہ مقصود ہیں ہندو برادر ہیں
زمین شعر ہی میں رہ گئی زلف بتاں کافر



زن زمیں تو ہے فساد کا گھر
لیکن اتنا کہوں گا اے اکبر

زن منکوحہ و شریف و غریب
 کیا عجب ہے کرے جو امن نصیب
 ہو جو بس آمد زر تنخواہ
 تو نہیں حاجت وکیل و گواہ
 ہو جو تھوڑی سی باغ ہی کی زمیں
 تو کلکٹر کا ڈر زیادہ نہیں



شراب دولت سے مست ہیں وہ منے قناعت سے ہم ہیں سرخوش
 نہیں ہے کچھ باہمی تعلق وہ اپنے گھر خوش ہم اپنے گھر خوش



خن شناس سے میں چاہتا ہوں داد خن
 خوشی کے واسطے کافی ہے مجھ کو واہ فقط
 سوسائٹی نہیں ملتی کہ جس سے دل پہلے
 جو کوئی مونہ و ہدم ہے اب تو آہ فقط
 شرف ہے جبہ بیرٹری سے جن کو یہاں
 مقدموں ہی کی وہ دیکھتے ہیں راہ فقط
 بیاض شعر سے مطلب نہیں کلکروں کو
 رجسٹروں ہی کو کرتے ہیں وہ سیاہ فقط



رزقِ مایحتاج جب دے دے تجھے اللہ پاک
 کر عبادت میں بسر اور سر کو رکھ بالائے خاک
 پالی مسلم کی دیکھی اور ہندو کی ترنگ
 اس میں ہے اکثر رکاکت یہ ہے اکثر خونناک



بیٹھا رہا میں صبح سے اس در پہ شام تک
 افسوس ہے ہوا نہ میسر سلام تک



دلوں پہ مارتے جاتے ہیں چھاپہ شکن
 پڑھو گے حضرت سعدیؒ کی بوستاں کب تک
 تہہہیں سے اٹھ گیا مردی کی شرم کا پردہ
 تو پھر بقائے حجاب رُخ زناں کب تک
 اس انقلاب کا اب انقلاب ہے دشوار
 رہو گے منظر مہر آسمان کب تک



نہ نرے اُونٹ ہو نہ ہو بُلڈاگ
 نہ تو مٹی ہی ہو نہ تم ہو آگ
 چال ہے اعتدال کی اچھی
 ساز حکمت کا جوڑ ہے یہ راگ



جس نے دیکھا ہو گیا عاشق
واہ رہے صورت واہ رہے خالق



فیض کالج سے جوانی رہ گئی بالائے طاق
امتحان پیش نظر اور عاشقی بالائے طاق
وہ چراغوں سے ہیں جلتے ایسے ہیں روشن ضمیر
کہتے ہیں رکھے پرانی روشنی بالائے طاق



اپنی زباں میں شمع یہ کہتی ہے رازِ دل
روشن نفس نہیں نہ ہو جس میں گدازِ دل



کیوں کرنے لگے وہ مجھ گدا سے باتیں
زوروں پہ ہیں کرتے ہیں ہوا سے باتیں



میں سجدہ میں کہہ رہا ہوں سبحان اللہ
ہیکونے میں وہ کریں خدا سے باتیں



یہی کافی ہے مجھ کو اہل ایمان باصفا سمجھیں
نہیں پروا منافق بد کہیں مُرد برا سمجھیں!



رقیبوں نے بہت نظمیں پڑھیں اور درفشانی کی
میں اشک آنکھوں میں بھر لایا بلاغت اس کو کہتے ہیں



کوئی کہتا نہیں سیاح ہوں فطرت کا ماہر ہوں
یہیں تک فخر کی حد ہے میں ڈپٹی ہوں میں ناظر ہو
میں اپنے فوکروں کو ڈھونڈتا پھرتا ہوں بنگلے میں
کوئی ہے لاکھ کہے کون کہتا ہے کہ حاضر ہوں



جو محو ہیں کبر و زینت کے عقبی او خدا سے غافل ہیں
ارباب بصیرت کے آگے حشرات الارض میں داخل ہیں



ممکن نہیں ہم ان کی کوئی بات ٹال دیں
دیں حکم اگر تو سینہ سے دل کو نکال دیں



طاعت حق پر وہ میاں دل قوم اب کہاں
وہ نمازِ مسجدِ خیر منیٰ اللہ اب کہاں



بتا میرا یہی ہے منزل ہستی میں اے اکبر
مُریدِ حضرتِ دل ہوں مقیم خانہ تن ہوں



بصارت نے کمی کی انحطاطِ عمر میں اکبر
بصیرت ہے تو آنکھیں مجھ سے اب آنکھیں چراتی ہیں



مرے سازِ سخن سے پستِ فطرت کو تفضیل ہے
پیانو بے سُرِ سمجھا گیا بزمِ شغالات میں



جو بات مناسب ہے وہ حاصل نہیں کرتے
جو اپنی گرہ میں ہے اسے کھو بھی رہے ہیں
بے علم بھی ہم لوگ ہیں غفلت بھی ہے طاری
افسوس کہ اندھے بھی ہیں اور سو بھی رہے ہیں



چہرہ یورپ کا میں پروانہ ہوں
اس کی ہر اک بات کا دیوانہ ہوں
شب میں پیدائش ہوئی پیشِ شمع!
جلوۂ خورشید سے بیگانہ ہوں



جو حسرت دل ہے وہ نکلے کی نہیں
جو بات ہے کام کی وہ چلنے کی نہیں
یہ بھی ہے بہت کہ دل منہالے رہے
قومی حالت یہاں سنہالنے کی نہیں



حواس و فہم میں الجھے ہوئے ہیں
برات و سہم میں الجھے ہوئے ہیں
خدا تک ہے رسائی سخت دشوار
سب اپنے وہم میں الجھے ہوئے ہیں



دینی پہلو کو اے براور دیکھو!
کائناتوں سے ہو محترزِ گل تر دیکھو
اعظم اکبر ہوئی ہے منقوشِ قلوب
آنکھیں ہوں اگر خدا کا دفتر دیکھو



قرآن سے واقف ہیں نہ انجیل کے پیرو
با ایں ہمہ ہے شوقِ ترقی میں تنگ و دو



اوبار کے ہیں یہ دن اولوالعزم نہ ہو
ہونی ہے شکست مانل رزم نہ ہو
رونق محفل کی اب نہیں ہے تجھ سے
گوشت ہی میں بیٹھ عازم بزم نہ ہو



خدا رکھے سلامت اس نظر کو
کہ جس نے سیم کو چھوڑا نہ زر کو



مرشد نے کہا اٹھئے حضرت معنی نہ سہی صورت تو وہ ہو
گھر چھوڑ کے بسے بنگلے میں طاقت نہ سہی زینت تو وہ ہو
اس نقش کی کردو خانہ پری تقدیر رہے گی پھر نہ بری
راس آئے گی تم کو بادہ خوری مجلس تو وہ ہو صحبت تو وہ ہو



تصدیق اوھر بشوق اوھر بالارا وہ جھوٹ
اس سے زادہ مکر نہ اس سے زیادہ جھوٹ
عارض نہ ان کا گل ہے نہ دل میرا آئینہ
رنگین جھوٹ وہ ہے اگر یہ ہے سادہ جھوٹ



ہوا ہوں میں منگی نہایت دہارہا ہے فلک کا غمزہ
عرب تصرف کرے تو شاید الف کی صورت میں آئے ہمزہ



ملکی ترقیوں میں دوالے ٹکائے
پلٹن نہیں تو خیر رسالے ٹکائے
کافی ہے ہر شغل کیسائے فکرِ رزق
اب دل سے مسہر اور شوالے ٹکائے



سراسر نورِ تقویٰ سایہ پر قربان کر آئے
یہ کیا اچھا کیا تم نے اگر زر کھوکے مس لائے



فرق کیا واعظ و عاشق میں بتائیں تم سے
اس کی جہت میں کئی اس کی محبت میں کئی



یہی فتوائے نیچر ہے کہ ہم بھی ہو رہیں ان کے
زر ان کا زور ان کا علم ان کا سلطنت ان کی
ملائیں کس طرح سر صدر پر نزلہ ہے مذہب کا
بہت اونچے سروں میں بچ رہی ہے اب تو گت ان کی
مگر قومی اطبا دور ہی کر دی گئے یہ نزلہ
قومی اطفال کو کر دے گی آخر تربیت ان کی



تھا شوقِ ادائے مطلب اکِ حُسن کے ساتھ
اکبر نے جو فکر کی تو وہ بات بنی
دیوانہ تھی قومِ عشق میں پریوں کے
پکڑی گئی اور غلامِ جنات بنی



جب تک ہم میں ہے قومی خصلت باقی
بے شک پردے کی ہے ضرورت باقی
چالیس برس کی بات ہے یہ شاید
بعد اس کے رہے گی پھر نہ حجت باقی



زاہد کی طبع دیکھ کے اس بت کو لُج گئی
وہ کیا تمام ملک میں اکِ دھوم مچ گئی
اکبر ہی تھا کہ دین میں دل کو چھپا لیا
وہ بھی کہاں بچا یہ کہو جان بچ گئی



شیخ و سید سے تو خالی نہیں ذکرِ شاعر
ذات سے ان کی مخاطب نہیں فکرِ شاعر
طبعِ مجنوں ہے عاشقِ ملت اے دوست
کیوں روا رکھتا ہے ناحق مری ذلت اے دوست



وہ گئے کم عربی شعر سمجھنے والے
چل بے گیسوئے لیلیٰ میں اُلٹنے والے



فتوائے کفر دنیا واعظ کی بے حسی ہے
یہ عشق بت نہیں ہے اکبر کی پالی ہے



یہ بزم ساقی عجب جگہ ہے کہ روح بے خود پڑی ہوئی ہے
حواس و منطق کی عقل گم ہے دلیل حیراں کھڑی ہوئی ہے



خبر دل کی مسِ دلخواہ جانے
خبر ایماں کی کُت پہ جاہ ہونے
ری اب عاقبت کی بحث اکبر
سو اس کا حال تو اللہ جانے



شوق شہرت بھی برا زر کی بری چاہ بھی ہے
نفرت انگیز نظر میں ہوس چاہ بھی ہے
ہاں مگر حسن بتاں زہرہ جنہیں آفت دیں
اس سے مجبور تو یہ بندۂ درگاہ بھی ہے



کمال شوق میں صرف اک نظارہ کافی ہے
کہ حسن خود ہی ہے عاقل اشارہ کافی ہے



حُسنِ نورِ شمع ہر محفل میں ہر شب سے وہی
موسمِ باراں میں لیکن کثرتِ پروانہ ہے



بہ چشمِ غور دیکھو ببل و پروانہ کی حالت
وہ آپہنچیں دیا کرتی ہے اور وہ جان دیتا ہے
وہ پھنستی ہے قفس میں اور اس کا نام روشن
ہوا پر خیمہ معنی کو اکبر تان دیتا ہے



حالتِ پہلی سی اب کہاں میری ہے
حیرت انگیز داستاں میری ہے
سینہ میرا ہے دل نہیں ہے میرا
میری نہیں بات گو زباں میری ہے



واعظ کا دل بھی سوزِ محبت سے گرم ہے
چپ رہنے پر نہ جاؤ یہ دنیا کی شرم ہے



اڑائی خود نمائی میں اگر دولت تو کیا اکبر
خدا کو مان کر جو دیں وہی اہل کرم اچھے
فیض حضرت بہر نمط ہوتا ہے
دل کو مرے خط یہیں فقط ہوتا ہے
ہر امر غلط کی ہوتی ہے یاں تصحیح!
اور لطف یہ ہے کہ غم غلط ہوتا ہے



مایوس کر رہا ہے نئی روشنی کا رنگ
اس کا نہ کچھ ادب ہے نہ کچھ اعتبار ہے
تقدیس ماسٹر کی نہ لیڈر کا فاتحہ
یعنی نہ نور دل ہے نہ شمع مزار ہے



بوڑھے ہوئے کتاب سے بوس و کنار ہے
اپنے لئے الف ہی بس اب قدر یار ہے
اپنی جبین سے چین کے مالک اگر ہو تم
میں بھی ہوں شاہِ روس کہ دل میرا زار ہے



زندگی سے اب طبیعت سیر ہے
موت یوں آتی نہیں کیا دیر ہے



کون و مکاں ظہورِ جمالِ حضور ہے
غافل اسیرِ دامِ فریبِ شعور ہے



یا امیٹیشن ۵۸ کے صدقے چائے دودھ اور کھانڈ لے
یا ایچی ٹیشن ۵۹ کے بدلے تو چلا جا مانڈ لے
یا قناعت اور طاعت میں بسر کر زندگی
رزق کی کشتی کو کھے پتوار لے اور ڈانڈ لے



دنیا کی حرص و آرزو کا واعظِ شہید ہے
گو پیر ہو گیا ہے مگر زن مرید ہے



جب تک رہے زندہ آرزو مند رہے
جب مر گئے ہم تو قبر میں بند رہے
اب حشرِ خلد و نارکا ہے جھڑا
دیکھیں یہ امید و بیم تاجند رہے



حاصل ہو کچھ معاش یہ محنت کی بات ہے
لیکن سرورِ قلب یہ قسمت کی بات ہے
آپس کی واہ واہ لیاقت کی بات ہے
سرکار کی قبول یہ حکمت کی بات ہے

وہ مخبر رقیب ہے میں ہوں شہیدِ عشق
 یہ اپنی اپنی ہمت و غیرت کی بات ہے
 جاپان و روس سے نہیں کچھ واسطہ ہمیں
 خرچے کی یاں تو بحث ہے ثبوت کی بات ہے
 بی اے بھی پاس ہوں لے بی بی بھی دلہند
 محنت کی ہے وہ بات یہ قسمت کی بات ہے
 تہذیب مغربی میں ہے بوسے تلک معاف
 اس سے اگر بڑھو تو شرارت کی بات ہے



بچانا نفعِ طولِ امل سے دل کا مشکل ہے
 سرورِ بادۂ امید فردا آہی جاتا ہے



تان اس بُت نے اُڑائی ہمیں بلما بھولے
 ہم تو کیا شیخ بھی توحید کا کلمہ بھولے



صنم ہند کو ہم یاد رہیں اے اکبر
 غم نہیں ہے جو عرب میں ہمیں سما بھولے



جان آچکی ہے لب پر ہیں منتظر فنا کے
 اب تک ہے واں تغافلِ قربان اس ادا کے



نغاں کرنے کا بھی یارا نہیں ہے
سوا افسوس کے چارہ نہیں ہے



ہم نشیں ظلم بیاں پر چپ نہ رہنا چاہیے
بات جب کچھ بن نہ آئے شعر کہنا چاہیے



ہوا بدل گئی ہے ایسی کچھ زمانے کی
دعائیں مانگتا ہوں ہوش میں نہ آنے کی



مجنوں کی پیاس کو بجھاتی
لیل کچھ باؤلی نہیں تھی
باکیں سال عمر کے متفرق اشعار
طے ہوئی بات نہ قیمت ابھی اس کی ٹھہری
دل مرا لے کے چلے آپ یہ اچھی ٹھہری



مُشتاق تو ہستم کہ عزیز و جیبی!
لیکن چہ تو اں کرو کہ مہمان رقیبی
دست فلک سے ہند کی خلقت بہت پٹی

جو کچھ تھی اس کی عظمت و وقعت وہ سب مٹی
اس کی دوا قناعت و نیکی ہے بس فقط
ہاں مشغلے کے واسطے ہو یونیورسٹی



باقی نہیں رہی وہ دنیا سے گرم جوشی
اب میں ہوں اور عزلت اور عالم خموشی
اپنے ہی دل کے ہاتھ اب میں بک گیا ہوں اکبر
سر میں نہیں رہا وہ سودائے خود فروشی



حسب فرمائش عالی جناب خان بہادر شیخ احمد حسین صاحب مذاق تعلقہ

اور پریاواں ضلع پر تاب گدھ

کچھ اپنا سوچا نہ کام آیا وہی ہوا جو خدا نے چاہا
عجب ہے تسلیم و صبر کی خواہش نہ پیدا ہو دل میں اب بھی
خدا سے بیگانہ تھی طبیعت دلی ارادوں پہ تھا بھروسہ
عزیمتیں فسخ ہو گئیں جب عرفت تری عرفت تری



تاثر ہوائے باغ ہستی نہ گئی
صورت کی ادا نظر کی مستی نہ گئی
ہوتے ہی رہے جمال دکش پیدا

طبعِ انساں سے بت پرستی نہ گئی



نہ گئی دل سے مرے حسن پرستی نہ گئی
بجھ گیا خون مگر روح کی مستی نہ گئی



شاخ میں پھل کا لگا رہنا ہے خامی کی دلیل
عقل پختہ ہو کے میرے سر سے زائل ہو گئی
ہوئی جو عمران کی مجھ سے سنتے کہ پندرہ میں ہے ایک باقی
عجب ہے نیچر کے اقتضائے جو رکھے نیت کو نیک باقی



موت کو دیکھا تو دنیا سے طبیعت پھر گئی
اٹھ گیا دل دہر سے دولت نظر سے گر گئی



دنیا سے تعلق رکھنے میں ہرگز نہیں یہ تمہید بری
کیا خوب کہا ہے اکبر نے احسان اچھا امید بری



فلسفہ حریف کا دین کا ہے عدو بنا
اس طرف ہے کید سخت اور ترا ہے بچپنا
صبح و شام صدق سے کر دعا کہ رہنا

لَا تَزِعْ قُلُوبَنَا بَعْدَ اذْهَدَيْتَنَا



متعلق ٹرکی

متضاد گئے جو دو طرف سے دو تار
کیا جانے کس کو اس نے اچھا سمجھا
لیکن اس بات کا سمجھنا تو ہے سہل
سرکار نے کس کو ان میں سچا سمجھا



بدبو مرے گھر نہ آے شرابی پھیلا
ہے تیرا دہن نجاتوں کا تھیلا
ہر لحظہ شراب کی ہے تجھ کو
ہر دم ترے منہ سے نکلتا ہے لا



مصنف مسلم نے کھولنا چھوڑ دیا
بننے نے ٹھیک تو لنا چھوڑ دیا
حاکم نے کہا نہ بولو ان سے ہرگز
ہم نے بھی سب سے بولنا چھوڑ دیا



بیچ مذہب کا کسی صاحب نے ڈھیلا کر دیا

سادہ طبعوں کو بھی بالآخر رنگیلا کر دیا
شوق پیدا کر دیا بنگلے کا اور بتلون کا
وہ مثل ہے مفلسی میں آنا گویا کر دیا
تھا بنارس پہلے ہی سے اے صنم رس میں بھرا
چشم مس اینی الہ نے اور اس کو رسیلا کر دیا



مرے نزدیک یہ پنجاب کا بلوا بھی برا
ساتھ ہی اس کے علی گڑھ کا یہ حلوا بھی برا
آپ اظہار وفا کیجئے حکمین کے ساتھ
لیٹ جانا بھی برا ناز کا حلوا بھی برا



جب اپنے ہاتھ میں لی غیر نے عنان سمند
تو پھر سوار سے اکبر پیادہ پا اچھا



سر رشتہ اتحاد ہم سے چھوٹا
آپس میں ہی کی خانہ جنگیوں نے لونا
قرآن کے اثر کو روک دینے کے لیے
ہم لوگوں پہ راویوں کا لشکر ٹوٹا



یہ قومی ترقی بھی ہے پریوں کا فساد

کانوں سے سنا سب مگر آنکھوں سے نہ دیکھا
اٹھتا پڑتا تھا دن رات بار الفت خواباں
جوانی کیا تھی نیچر نے مجھے بیگار پکڑا تھا



اب ان قصوں کا کیا حاصل اب ان باتوں کا کیا رونا
یہی مرضی خدا کی تھی یہی قسمت میں تھا ہونا
کہاں کی دولت و ثروت کہاں کی عزت و حشمت
میسر ہیں تجھے دو روٹیاں بس گھر کا لے کونا



ہنگامہ ترقی قومی کو دیکھ کر
ادراک حال کے لیے میں ہو گیا کھڑا
کوئی ہوا نہ مجھ سے مخاطب وہاں مگر
چپکے سے میرے کان میں اک غیر نے کہا
اکثر وہی بزرگ ہیں جو ہیں پئے ہوئے
باہوش کم ہیں ان کے بھی منہ میں سے ہوئے
ہرگز کوئی کہے گا نہ اس انجمن کا راز
کیوں اپنے آپ کو ہے پریشاں کئے ہوئے



پہلے تھا قوم میں سب کچھ مگر اب کچھ نہ رہا
کسی شاعر نے ہے واللہ یہ کیا خوب کہا

شیخ کے پاس ہے اب صرف مصلیٰ باقی
اور مرے پاس ہے اردوئے معلیٰ باقی



معانی قرآن کا لو کچھ مزا
پڑھو لو یُتھَرُ وُکم لَّا اَذٰلی



نہ حرف شکوہ بہتر ہے نہ اچھا اشک کا بہنا
ہمارے دن یہی ہیں رنج سہنا اور چپ رہنا
خدا کے واسطے اکبر کوئی ذکر اور ہی چھیڑو
سنی باتوں کا کیا سننا کہی باتوں کا کیا کہنا
کالج میں کسی نے کل یہ نغمہ گایا
قومی خصلت کا سر سے اٹھا سایا
کہتے تھے ولد کو لوگ سر لابیہ
سر للما سُر کا اب وقت آیا



بڑھا پاتا ہوں بنگالی کا درجہ ہر طرف صاحب
زمانے میں نیا یہ دور ہے مایٰ مراتب کا



تیروں نے غم کے قلب کو کم بخت کر دیا
سوز دروں نے سینہ کو دم بخت کر دیا



طفل دل محو ظلم رنگِ کالج ہو گیا
ذہن کو تپ آگئی مذہب کو فالج ہو گیا



سعادت روح کی کس بات میں ہے آپ کیا جانیں
کہ کالج میں کوئی اس بات کا ماہر نہیں ہوتا



واہ اے سید پاکیزہ گہر کیا کہنا
یہ دماغ اور یہ حکیمانہ نظر کیا کہنا
قوم کے عشق میں یہ سوز جگر کیا کہنا
ایک ہی ذہن میں ہوئی عمر بسر کیا کہنا



قوم کا اوج منظور خدا خواہ نہ ہو
غیر ممکن ہے کہ دنیا میں تری واہ نہ ہو



قوم کی تاریخ سے جو بے خبر ہو جائے گا
رفتہ رفتہ آدمیت کھو کے خر ہو جائے گا



بھائے جو نگاہ کو وہی رنگ اچھا

لائے جو راہ پر وہی ڈھنگ اچھا
قرآن و نماز سے اگر دل نہ ہو گرم
ہنگامہ رقص و مطرب و چنگ اچھا



میرے منصوبے ترقی کے ہوئے سب پائماں
سچ مغرب نے جو بویا وہ اگا اور پھل گیا
بوٹ ڈاسن نے بنایا میں نے اک مضمون لکھا
ملک میں مضمون نہ پھیلا اور جوتا چل گیا



ساتھ ان کے مراثی تو چل ہی نہیں سکتا
بندر کی طرح اونٹ اچھل ہی نہیں سکتا



پوچھا کہ شغل کیا ہے کہنے لگے گرو جی
بس رام رام جپنا چیلوں کا مال اپنا



کیا شور و فغاں میری اس کو مضحک کتنا
بہت شوخی شرارت تھی مگر عورت کا دل کتنا



خواہش ایواں نہ شد واعظ اسلام را

حاجت مشاطہ نیست روئے دل آرام را



جو پاس بھی ہو بہ صد مصیبت تو نفس میں کچھ نہیں فضیلت
اگر ہو طالب کمال کے تم تو چھوڑ دو امتحان ایسا



پیری سے کمر خم ہے وہ فرماتے ہیں تن جا
قابو میں نہیں ہاتھ تو کیا ہو سکے پنجا
وسعت ہے در علم میں ہے راہ عمل بند
ہے صاف سڑک پاؤں پہ لیکن ہے شکنجا



کیا کہوں اس کو میں بدبختی نیشن ۶۲ کے سوا
اس کو آتا نہیں اب کچھ امیٹیشن ۶۳ کے سوا



اس قدر تھا کھلموں کا چار پائی میں جہوم
وصل کا دل سے مرے ارماں رخصت ہو گیا
لات دنیا نے جو ماری بن گیا دیندار وہ
تھی بری ٹھوکر مگر شیطان رخصت ہو گیا



مری تقریر کا اس مس پہ کچھ قابو نہیں چلتا

جہاں بندوق چلتی ہے وہاں جادو نہیں چلتا
 کمر باندھی بھی یاروں نے جو راہ حب قومی میں
 وہ بولے تو نہیں چلتا وہ بولے تو نہیں چلتا
 کہا پیر طریقت نے اکڑ کر اپنی ٹمٹم پر
 یہی منزل ہے جس میں شیخ کا ٹو نہیں چلتا
 لطیف الطبع ساتھی چاہیے فیاض طینت کا
 چمن سے بے ہوا کے کار دان بو نہیں چلتا



درس تھا یکساں وہ تو مسیحی ہی رہے
 تجھ پہ مذہب کے عوض شیطان کا قابو ہو گیا
 ایک ہی بوتل سے پی ہوٹل میں دونوں نے شراب
 لطیف مستی ان کو آیا اور تو الو ہو گیا



ہر قدم ان کا شہد لغزش مستانہ تھا
 سر میں تھا سید کے قرآں زیر پامے خاندہ تھا
 تجھے انگلش سے جب موقع نہیں ہے گرم جوشی کا
 تو پھر کیا لطف ہے اے ہم نفس اس بارہ نوشی کا
 تکلف ہے جواب اس نے دیا سن کر کہ اے اکبر
 ادا کرتا ہوں میں یہ حق فقط پتلون پوشی کا



چھوڑ کر رنج اپنے مٹنے کا
منتظر ہوں اب ان ۱۴ کے پٹنے کا



سرسید کو فلک نے تنے نہ دیا
تہذیب کو پھر دوبارہ چنے نہ دیا
ملت کی شکست میں مدد دی کامل
بنے لگی قوم جب تو بنے نہ دیا



گھر میں ہمیں چراغ نے ٹہلنے نہ دیا
باہر کی طرف چلے تو چلنے نہ دیا
کالج نے بٹھا دیا جو مانند شجر
کچھ پھول چلے تھے اس نے پھلنے نہ دیا



کچھ بھی نہیں چاہتے وہ چندے کے سوا
اس باغ میں کیا دھرا ہے پھندے کے سوا
گلچیں ہے ہر اک نہیں ہے ببل کوئی
اس نکلتے کو کون سمجھے بندے کے سوا



آج ہے یہ رئیسوں کی ترانہ ہے نہ عملے کا
نہ یہ پودا ہے گلشن کا نہ یہ بونا ہے گیلے کا

ہمارے حضرت شیخ مہذب کی ذہانت ہے
خدا اس میں چمک دے یہ بھی اک طرہ ہے شلمے کا
دل چھوڑ کر زبان کے پہلو پہ آپڑے
ہم لوگ شاعری سے بہت دوڑ جا پڑے



معنی کے ساتھ ہو تو مزہ ہے زبان کا
انجم نہ ہوں تو لطف نہیں آسمان کا



ہے صاف عیاں حرم سرا کا مطلب
بیگانوں کے واسطے ہے اک حد ادب
ممکن ہو اگر تو اس کو قائم رکھو
عزت کے نشان اور تو مٹ گئے سب



پندت نے خوب بات کہی جوش طبع میں
ماحق گذشتہ عہد پہ یوں طعنہ زن ہیں آپ
پتھر کے بدلے اب تو دھرم ۱۵۷ نوٹے لگا
محمود بت شکن تھا برہمن شکن ہیں آپ



محتاج در وکیل و مختار ہیں آپ
سارے عملوں کے ناز بردار ہیں آپ

آوارہ و منتشر ہیں مانند غبار
معلوم ہوا مجھے زمیندار ہیں آپ



جاتی رہی وعظ مذہبی کی قوت
ہر سر میں سمائی خود سری کی قوت
اظہال کو ناز ہے مگر قومی آنکھ
روتی ہے کہ یہ خود کشی کی قوت



حاضر ہوا میں خدمت سید میں ایک رات
افسوس ہے کہ ہو نہ سکی زیادہ بات
بولے کہ تجھ کو دین کی اصلاح فرض ہے
میں چل دیا یہ کہہ کے کہ آداب عرض ہے



مہماں آئے تو اس کو گھیرو نہ بہت
اس کی راہوں سے اس کو پھیرو نہ بہت
مجلس ہوئی ختم اب میں گھر جاتا ہوں
بھائی مجھے میرا حصہ دے رو نہ بہت



عینک آنکھوں پہ منہ میں مصنوعی دانت
نیچر نے سکھا کے کر دیا جسم کو تانت

اب تک ہے مگر وہی ہوں حضرت کی
ہے طولِ اہل ہنوز شیطان کی آنت



عزیزوں کی اعانتِ گم بزرگوں کا ادبِ رخصت
جو دل بدلا تو سب بدلا رخصت تو سب رخصت



ڈیلی گیڈوں نے جو شملے میں بہم کی ہے صلاح
بعدِ عمدہ کھانے کے ایسی ڈکاریں ہیں مباح
سنٹرل بھی ہو کمیٹی اور پرائشل بھی ہو
حاجی پبلک بھی ہو رخِ جاہِ کونسل بھی ہو
بابوؤں کی طرح لیکن ٹل سے کچھ مطلب نہ ہو
کر دیں بس توضیحِ جزو وکل سے کچھ مطلب نہیں
ولوے ایسے نہیں محتاج کچھ تصریح کے
کیوں نہ ہو دانے تو ٹوٹی ہوئی تسبیح کے
گندھ کے اب قومی گئے کا بار ہو جائیں گے یہ
پالسی کے طرہ دستار ہو جائیں گے یہ
بختِ ملکی میں تو پڑنا ہے نری دیوانگی
پالسی ان کی رہے قائم ہماری دل لگی
ہم یہ کہتے ہیں کرو جو استخارہ راہ دے
تم فقط پتلے بنا سکتے ہو جان اللہ دے



طفل مکتب کہ سخن ہاز زباں می گوید
شکوہ کم کن کہ چنین گفت و چناں می گوید
طبع اوٹونو گراف است و سروض سبتش
آں چہ مستند برو نقش ہماں می گوید



بہ بات غلط کہ ملک اسلام ہے ہند
یہ جھوٹ کہ ملک پھمن و رام ہے ہند
ہم سب ہیں مطیع و خیر خواہ انگلش
یورپ کے لیے بس ایک گودام ہے ہند



گفتم ایراں را سر جنگ نہ ماند
آن مردی و آں ہوا و آں رنگ نہ ماند
آغا خندید و گفت رنجے و گراست
کامروز برائے ساغرم بگ نہ ماند



شکر چشم و گوش کرتا ہوں مگر یا رب یہ کیا
آنکھ بھنگے کے حوالے کان مچھر کے سپرد



افسوس ہے بدگماں کی آزادی پر
خالق کبھی خوش نہ ہو گا بربادی پر
طاعون سے کیوں ہے اتنی وحشت اکبر
یہ تو اک نکس ہے اس آبادی پر



پنڈت بیٹھا ہے اپنی پوتھی لے کر
بنیا بیٹھا ہے موٹھ موٹھی لے کر



سودا اس کو ہے جو سدھارا لندن
وہ دولت و جنس گھر میں جو تھی لے کر



یہ وقت شکست قوم کا ہے بخدا
کرتا ہوں میں تجھ کو اس کی تنبیہ اکبر
ایسی مسجد ہو جس پہ اطلاق ضرار
قرآن کو مان لاقم فیہ اکبر



کرو نہ تعمیر گھر کی اکبر حدود میوہیل کے اندر
یہ اہل کاران بدویانت نہیں گے پھوڑا بغل کے اندر



ہوئے اس قدر مہذب کبھی گھر کا منہ نہ دیکھا
کئی عمر ہوٹلوں میں مرے اسپتال جا کر



میں رعیت ہوں وہ شاہانہ دلیری ہے کہاں
مجھ کو کیوں رشک آئے ونع ملت انگریز پر
کائے بچھ جاتے ہیں ان لوگوں کو راہ رزق میں
خوف آتا ہے چھری چلتی ہے ان کی میز پر

معجزا

ممکن نہیں عبور مرا ان کے راز پر
بالفعل ہے مقام عدالت جہاز پر



کیا اس کی خوشی کہ تم کو ہے عقل کثیر
ہم کو تو اسی سے کر دیا تم نے فقیر
ہرگز یہ نہیں ہے حسن قانون خدا
کہتے ہیں حضور اس کو حسن تدبیر



تہذیب نو کے رنگ پہ بنبل بنے ہیں سب
واللہ کیا بہار ہے اس سبز باغ پر



شیخ ملتے ہی رہیں گے تجھ سے بہر اخذ زر
دین خود تجھ کو نہ چھوڑے گا جو تو دنیا نہ چھوڑ



جس طرح ہے تجھے الم جسم کی تمیز
دیکھے گا درد جاں کو بھی اک دن تو اے عزیز



ہرگز نہیں ہم کو سلطنت کا افسوس
ہے اتھری معاشرت کا افسوس
انگریزوں پہ ہے بہت کم الزام اس کا
ہے اپنے ہی میل معصیت کا افسوس



سیاہ کرنا دلوں کا اسے ہے کیا مشکل
تمہارا علم لگاتا ہے آفتاب میں داغ



یار نے پوچھا کدھر جاتا ہے تو
عرض کی میں نے ہلاکت کی طرف
پوچھا اس جانب لیے جاتا ہے کون
میں نے دیکھا اس کی صورت کی طرف



بن گئی ہے خضر راہ دوستاں کید حریف
ہے نمازِ گربہ زلہد سے خوش کبک نحیف
ہم کو یہ سجدہ ملایا چاہتا ہے خاک میں
کون سمجھے شاعروں کے یہ اشارات لطیف



ہم کو نہیں ان کے عیش و راحت پر رشک
بے غیر و کودن اس پہ برساقے ہیں اشک
کافی ہے ہمیں عبادت حق کے لیے
ای اونٹنی ایک پال پانی اک مشک



کونسل میں شریک ہوگا کل ملک
اب تھینکس کا باندھ دے گا پل ملک
یا رب کل سلطنت ہے تیری
توٹی ملک اور تنزع الملک
اونچا سنتی ہے کیا گورنمنٹ
کیوں کرتا ہے اتنا شور و غل ملک
گائیں ناحق بھڑک رہی ہیں
ویراں نہ کریں گے جان ہل ملک
ہوتی ہے روش جو سلطنت کی
جاتا ہے اسی طرف کو ڈھل ملک

زندہ جس سے ہے بزم قومی
وہ کون ہے صرف محسن الملک
غنیجے کی طرح سٹ کے ابھرو
اس وقت کھلے گا مثل گل ملک



اکبر اس اندیشہ میں رہتا ہے غرق
کافر و نیٹو میں ہے تھوڑا ہی فرق
کافری کا ہے علاج ایمان سے
نیٹویت تو ہے لپٹی جان سے



بنام خیالات پاٹ آفریں
زبانوں پہ بسکٹ کی چاٹ آفریں



اس قوم کو یک دلی کی رغبت ہی نہیں
جو ایک کرے ادھر طبیعت ہی نہیں
اکبر کہتا ہے میل رکھو باہم
وہ کہتے ہیں میل کی ضرورت نہیں



کیسا اسلام ان میں غیرت ہی نہیں
ایمان کہاں کہ جب بصیرت ہی نہیں

طرز تعلیم پر ہے لیکن الزام
وہ علم نہیں تو وہ طبیعت ہی نہیں



واں شوکت و زینت کے جو اسباب بہت ہیں
معنی کے یہاں گوہر نایاب بہت ہیں
صاحب کی سی محفل تو میسر نہیں لیکن
صد شکر کہ اکبر کے بھی احباب بہت ہیں



ترقی پاتے ہیں لڑکے ہمارے فور دیں کھوکر
یہ کیا اندھیرے بچھ لیتے ہیں یہ تب چمکتے ہیں



دنیا میں ضرورت زور کی ہے اور آپ میں مطلق زور نہیں
یہ صورت حال رہی قائم تو امن کی جائز گور نہیں
تاریخ ہم اپنی جانتے ہیں اور آپ کو بھی پہچانتے ہیں
کب آپ کی باتیں مانتے ہیں کچھ فہم تو ہے گو زور نہیں
اے بھائیو بابو صاحب سے کھنچنے کا نہیں ہے کوئی محل
گولسل علاؤ الدین میں ہو مسکن تو تمہارا غور نہیں



مشاق لقا ہوں در پہ حاضر ہوں میں
منظور نہیں کہ بار خاطر ہوں میں

حضرت کو جو فرصت ملاقات نہ ہو
بوسے پر آستان کے شاکر ہوں میں



ہوائے طوبیٰ ہے اب نہ سر میں نہ موج کوثر ہے اب نظر میں
ہوں اگر ہے تو بس یہی ہے کہ ہم بھی چھپ جائیں پانیہ میں



دلچسپ ہوائیں سوئے گلشن پہنچیں
زلفیں شملے سے تاپہ دامن پہنچیں
درگا بانی سے راجہ جب روٹھے
صدقے ہونے کو بی نصیبین پہنچیں



جھنجھا کے بولے اس سے جو لپٹا اندھیرے میں
اندھیر اس طرح کا تو دیکھا کہیں نہیں



داخل مری دانست میں یہ کام ہے پن میں
پہنچائے گا قوت شجر ملک کی بن میں
تحریک سودیشی پہ مجھے وجد ہے اکبر
کیا خوب یہ نغمہ ہے چھڑا دیس کی دھن میں



عنایت مجھ پہ فرماتے ہیں شیخ و برہمن دونوں
 موافق اپنے اپنے پاتے ہیں میرا چلن دونوں
 ترانے میرے ہم آہنگ دیر و کعبہ میں یکساں
 زباں پر میری موزوں ہوتی ہے حمد اور بھیجن دونوں
 مجھے الفت ہے سنی سے بھی شیعہ سے بھی یاری ہے
 اکھاڑے میں دکھا سکتے ہیں دلکش باکپین دونوں
 مجھے ہوٹل بھی خوش آتا ہے اور ٹھاکر دوار ابھی
 تبرک ہے مرے نزدیک پرشاد اور ملٹن دونوں



ایک سید کیا کریں یا بیٹھ کر دس کیا کریں
 حضرت حالی کے اشعار مسدس کیا کریں
 سچ تو یہ ہے مہربانی آپ کی درکار ہے
 ہم غریب و ناتوان و زار و بیکس کیا کریں



روشنی میں سر میں گداز غم دلِ مایوس میں
 شمع ساں ہم جل رہے ہیں مغربی فانوس میں
 روکتا زور وریا سے ہوں تو فرماتے ہیں وہ
 آج کل برکت بڑی ہے خرقہ سالوس میں



گولیوں کے زور سے کرتے ہیں وہ دنیا کو ہضم

اس سے بہتر اس غذا کے واسطے چورن نہیں



ہم نیک خصال ہیں یہ تسلیم نہیں
دنیا میں اس روش کی تکریم نہیں
لیکن یہ ہیں طریق و عادات عجم!
واللہ کہ یہ عرب کی تعلیم نہیں



چو مسٹر نہ باشد ترا مہماں
چہ بر میز خوردن چہ بر روئے خواں



مہدیؑ نے گھر کیا ہے دل شیخ و رند میں
سید کا جانشین ہے وہ آج ہند میں



یہ بولے روکے پیرو اور گیا دین
دھرم دنیا سے اٹھا اور گیا دین



نوکر کو سکھاتے ہیں میاں اپنی زباں
مطلب یہ ہے کہ سمجھے ان کے فرماں
مقصود نہیں میاں کی سی عقل و تمیز

اس نکتہ کو کیا وہ سمجھیں جو ہیں ناداں



نیچریت چیت از دیں گم شدن
نے قیص و کوٹ و پتلون و بٹن



بھوک سے زائد ہو جس کے پاس کھانا اس کے پاس
اتنی دولت ہے کہ رکھنے کی جگہ ملتی نہیں



ناصر نے کہا کہ جلد مذہب چھوڑو
ورنہ سائنس میں ڈالے گا تمہیں
مذہب نے کہا کہ مجھ کو چھوڑو گے تو وہ
کیا گود میں اک طرف بٹھا لے گا تمہیں



پورا سائنس تم کو آنے کا نہیں
کچھ آیا تو پیشوا بنانے کا نہیں
وہ کمپنیاں ہیں یہ ہے کولے کی دکان
بے ختم ہوئے یہ دور جانے کا نہیں



سوچا نہیں خود غرض کو آئین صواب

جتنا چھوڑو گے ہم کو تم ہو گے خراب
واللہ یہی نتیجہ ہوگا پیدا
دنیا میں حقارت اور عقبیٰ میں عذاب



اب قوم میں زندگی کے آثار نہیں
جو اہل نظر ہیں اس سے شرمندہ ہیں
حکام کی ہے یہ صرف عیسیٰ نفسی
اعضا کالج کے کچھ اگر زندہ ہیں



حدیں قوموں کی قسمت کی کیا کرتا ہے یہ قائم
زمانہ دیکھ کر چلنے طریق زندگانی میں
محبت کس طرح اس قوم میں باہم رہے قائم
زبانیں صرف غیبت دل ہیں ڈوبے بدگمانی میں



میں نے کہا کہ اپنا سمجھے مجھے غلام
بولا وہ بت یہ ہنس کے فرنگی نہیں ہوں میں



ہندو مسلم ایک ہیں دونوں
یعنی یہ دونوں ایشیائی ہیں
ہم وطن ہم زبان و ہم قسمت

کیوں نہ کہہ دوں کہ بھائی بھائی ہیں



پڑھتے نہیں نماز یہ خود رائے کیا کروں
قومہ نہیں تو قوم نہیں ہائے کیا کروں



باپ سے مانگو نہ عشرت ۶۷ نہ چچا سے مانگو
سمی بازو پہ کرو تکیہ خدا سے مانگو
حسن تدبیر بڑی چیز ہے اس دنیا میں
مدد اس کام میں تم عقل رسا سے مانگو



دل سے دھرم اٹھا ہے تو اب ذات بھی توڑو
ویراں ہوئی کھیتی تو عمارات بھی توڑو



برباد کرو خوب منوجی کے چمن کو
باقی نہ رہے پھول تو اب پات بھی توڑو



یا کس کے کمر پئے خوشامد باندھو
یا حجرے میں گھس کے بیٹھو تہہ باندھو
کیا فائدہ بے قرینگی سے اے شیخ

بہتر ہے یہی کہ اپنی اک حد باندھو



پانیر کے صفحہ اول میں جس کا ذکر ہو
میں ولی سمجھوں جو اس کو عاقبت کی فکر ہو

شملہ بمقدار علم

افسوس ہے کہ مر گئے بک ۶۸۔ اب نہیں کوئی
اس درجہ جس میں علم ہو اس درجہ علم ہو
شملے پہ جان دی تو تعجب ہے اس میں کیا
لازم تھی وہ جگہ جو بہ مقدار علم ہو



زندگی اور قیامت میں رلیشن ۶۹ سمجھو
اس کو کالج اور اسے کا نووٹیشن ۷۰ سمجھو
ہو جنہیں مقدرت وضع و نفاذ قانون
بس انہیں کو صفِ اقوام میں نیشن ۷۱ سمجھو
آہ و فریاد سے قابو میں نہ آئے گا وہ یار
طیشِ قلب کو بنگال ایسی ٹیشن ۷۲ سمجھو



دیں دار بنو درست دیں ہو کہ نہ ہو
قدر اس کی زمانے میں کہیں ہو کہ نہ ہو
مذہب پہ جیسے رہو یہ ہے شیخ کا قول

کہہ دو کہ یقین ہے یقین ہو کہ نہ ہو



افسوس ان پر فلک نے پایا قابو
مطلق نہیں ان میں رنگ ڈھونڈو یا بو
شچی کو چھوڑ میرزا پہلے بنے
بنتے جاتے ہیں اب یہ مسلم بابو



لطفِ سخن تو ہے یہی ٹرس ۳۷ بھی ہووئی ۴۷ بھی ہو
ذہن کا وصف ہے یہی اور پھنٹی ۵۷ بھی ہو



مرشد نئی روشنی کا ہے قابلِ قدر
ترنمیں بھی خوشنما ہے تنویر کے ساتھ
طالبِ جمعہ کا لیکن اس سے رہے دور
اتوار لگا ہوا ہے اس پیر کے ساتھ



عقل سید بوداز انوارِ حکمت یافتہ
زور بازویش عدورا مہیما پر تافتہ
مشکلے درپیش ہست اور اگر گوئم نبی
زانیا ہرگز کسے نکذشت پنشن یافتہ



پردہ اٹھ جانے سے اخلاقی ترقی قوم کی
جو سمجھتے ہیں یقیناً عقل سے فارغ ہیں وہ
سن چکا ہوں میں کچھ بوڑھے بھی ہیں اس میں شریک
یہ اگر سچ ہے تو بے شک پیر نابالغ ہیں وہ



اکبر کو ہے الفت بتاں گمراہ
کرتا ہے انہیں کے وصف میں نامہ سیاہ
احباب سنیں جو اس سے ایسے اشعار
ترویج کریں کہیں کہ سبحان اللہ



لے لے کے قلم کے لوگ بھالے نکلے
ہر سمت سے بیسوں رسالے نکلے
افسوس کہ مفلسی نے چھاپہ مارا
آخر احباب کے دوالے نکلے



سچ ہے کہ انہوں نے ملک لے رکھا ہے
ہم لوگوں سے کمپ کو پرے رکھا ہے
لیکن ہے ادائے شکر ہم پر لازم
کھانے بھر کو ہمیں بھی دے رکھا ہے



پوچھتے کیا ہو مسلمانوں کا حال
منتشر اجزا سب ان کے ہو گئے
مستعم کب ہیں یہ جہل اللہ سے
دیکھ لو جھاڑو سے تنکے ہو گئے



غضب ہے وہ ضدی بڑے ہو گئے
میں لیٹا تو اٹھ کر کھڑے ہو گئے
نہیں ان کو کچھ شرم لاجول قوم
یہ ملحد تو پکٹنے گھڑے ہو گئے



ہر ایک کو ایک دن اجل آئی ہے
دنیا گزراں ہے ہیچ ہے فانی ہے
لیکن مرنا جو عالم وجد میں ہو
گویا کہ شعاع نور یزدانی ہے



تم کہتے ہی محو کج ادائی رہتے
تم پر دل و جاں سے ہم فدائیر ہتے
صد شکر تم آئے بڑھ گئی لذت طبع
لیکن جو نہ ملتے تب بھی بھائی رہتے



مسلمانوں نے کالج کی بری کیا راہ پکڑی ہے
وہی تو اک ٹھکانا ہے وہی اندھے کی لکڑی ہے



نہ گئی دل سے مرے حسن پرستی نہ گئی
بجھ گیا خون مگر روح کی مستی نہ گئی



مجھ کو کچھ حیرت نہ ہوگی تم کو ہو جائے گا فخر
کہہ دو اک بدمست گورے کو کہ بندہ زادہ ہے
مغربی تہذیب میں کس کو میں سمجھوں مستند
اس تماشا گاہ میں جو ہے وہ صاحبزادہ ہے



اسیر دامِ زلف پالسی مدت سے بندہ ہے
فصاحت نذر لکچر ہے ریاست نذر چندہ ہے



ان کی سب باتوں کو اکبر سیکھ لے
خود وہ فرمائیں گے پھر آبھیک لے



جو لوگ طرفدار علی گڑھ کے رہیں گے

اس دور میں بے شک وہی بڑھ چڑھ کے رہیں گے
مفلس رہیں گمنام رہیں خیر جو کچھ ہو
کالج کے یہ سب علم تو ہم پڑھ کے رہیں گے



داد قرآن کی نہ دو بھائی عمل اس پہ کرو
پیش درگاہ خدا واہ کی حاجت کیا ہے



ظاہر میں اگرچہ راز سر بستہ ہے
مضمون لطیف و خوب برجستہ ہے
پودا نہیں پھول کا علی گڑھ کالج
گلدان میں مسلوں کا گلہستہ ہے



سرحد پہ باغیوں کو سکھ ماریں گے
گردن ارود کی رام ۷۷ رکھا ماریں گے
قائم رہے البشیر کا یہ پرچہ
ہم بھی مضمون کوئی لکھ ماریں گے



کونسل سے ہر طرح کا قانون آرہا ہے
مطبع سے ہر طرح کا مضمون آرہا ہے
لیکن پڑھوں میں کیوں کر آنکھوں کی یہ ہے حالت

اشک آرہے تھے پہلے اب خون آ رہا ہے



باغوں میں تو بہار درختوں کی دیکھ لی
کالج میں آ کے کانووکیشن کو دیکھئے
لیموائے کانغزی تو بہت دیکھے آپ نے
اب کانغزی ترقی نیشن کو دیکھئے



اپنے بھائی کے مقابل کبر سے تن جائیے
غیر کا جب سامنا ہو بس قلی بن جائیے
فلسفہ الحاد کا کر لیجئے فوراً قبول
دین کی ہو بات تو ابطال پر ٹھن جائیے
چندے کی مجلس میں پڑھئے رو کے قرآن مجید
مذہبی محفل میں لیکن مثل دشمن جائیے
شیخ صاحب ہے یہی قومی ترقی کی شناخت
روٹھے سے کچھ نہیں ہے فائدہ من جائیے



پڑا ہے قحط بشر مر رہے ہیں فاقوں سے
خوشی ہو کیا مجھے شبرات کے پڑاؤں سے
بجھی ہوئی ہے طبیعت یہ روشنی ہے فضول
اتار لیجئے صاحب چراغ طاقتوں سے



دنیا ہی اب درست ہے قائم نہ دین ہے
زر کی طلب میں شیخ بھی کوڑی کو تین ہے



اک دن وہ تھا کہ دب گئے تھے لوگ دین سے
اک دن یہ ہے کہ دین وبا ہے مشین ہے



گذرے مری نگاہ سے یاروں جمگھٹے
مطلب یہ تھا سرور بڑھے اور غم گھٹے
کھانے بھی خوب کھائے گلچیں بھی خوب
لیکن ہوا یہی کہ بڑھے آپ ہم گھٹے
ہم تو اسی کو بات سمجھتے ہیں کام کی
عشق صمد زیادہ ہو عشق صنم گھٹے



جس سے جو بن پڑے وہی کام کرے
صاحب بنے کھائے کھیلے آرام کرے
لیکن رہے قوی بھائیوں کا ہمدرد
ہر حال میں ادعائے اسلام کرے



چرچے ہیں نہ مذہب کے نہ وہ قصہ دل ہے
 پرچے ہیں اب اخبار کے اور آرٹیکل ہے
 اس عہد میں مائل سوئے الحاد جو دل ہے
 اس کی تو گورنمنٹ ہی رسپانسیبل ہے
 تل کھیت میں مل جائے تو گودام میں لے جائیں
 کیا فائدہ عارض پہ کسی بت کے جو تل ہے
 تنخواہ کے بل سے ہمیں ہوتی ہے مسرت
 اور شیخ یہ کہتا ہے کہ یہ سانپ کا بل ہے
 غزالی و روی کی بھلا کون سنے گا
 محفل میں چھٹرا نغمہ اپنسر و مل ہے



سابق کے طریقوں پہ عمل کر نہیں سکتے
 کل آج نہ تھا آج کو کل کر نہیں سکتے
 الزام کہیں مشق قواعد کا نہ لگ جائے
 صوفی بھی بہت کور اچھل کر نہیں سکتے



کافرنس

جمیعت علاقہ قوم اچھی ہے
گلہائے سخن کے باغ کھل جائیں گے
کہتا ہے یہ معترض کہ ملنا کیا ہے
کچھ اور نہیں تو دل ہی مل جائیں گے



چالیس سال سے ہے نئی روشنی کا دور
کیوں کر اسے کہوں کہ سراسر فضول ہے
البتہ ایک عرض کروں گا دبی زباں
گو خوشنما بہت ہے مگر بے اصول ہے



دنیا کی ہوا راس جو آئی بھڑک اُٹھے
اٹھارے ہوئے جاتے ہیں اب کول کے کالے
کنزور کی ہانڈی جو زبردست نے دیکھی
دل نے کہا بے پوچھے ہوئے کھول کے کھالے
تبیج مری تو ہے عطا کردہ مرشد
ان برہمنوں کے پاس تو ہیں مول کے مالے



ترکیب تو دیکھو یہ زمانے کے چلن کی
افسوس کہ اس سے کوئی واقف بھی نہیں ہے

گر جا میں تو کرنیل و کمشنر بھی ہیں موجود
مسجد میں کوئی ڈپٹی و مصنف بھی نہیں ہے



برہم اکبر دانش آموز و نشاط انگیز ہے
ہر سخن اس کا لطیف و خوب و معنی خیز ہے
بالا راہ اس سے جو کرتا ہے اعراض و گریز
ناواں میں وہ ہے یا کودن ہے یا انگریز ہے



تخن سازی کی چالوں میں تو خامہ ان کا شاطر ہے
مگر جو حالت اصلی ہے وہ پبلک پہ ظاہر ہے



اس زمانے میں جو دل دہر سے پھر جاتا ہے
آدی پایہ تہذیب سے گر جاتا ہے



میں کچھ واقف نہیں آرام دہ اب کون بندر ہے
کہ پل موہوم امیدوں کا لفظوں کا سمندر ہے



معاملہ تھا عرب کا خدائے واحد سے
عجم نے واسطہ رکھا شراب و شاہد ہے



ادھر تھی حمد خدا ہی سے آشتی دل کی
ادھر تھی بحث نزاع حمید و حامد سے



ہے نئی روشنی اک لوکل و ذاتی ترکیب
لفظ ہی لفظ ہیں جتنے ہیں زوائد اس کے
لپ بکلی کا ہے یہ مہر جہاں تاب نہیں
جب اندھیرا ہو تو ظاہر ہوں فوائد اس کے



بے علم اگر عقل کو آزاد کریں گے
دنیا تو گئی دین بھی برباد کریں گے
جب خود نہیں رہنے کے اصل پہ قائم
کیا خاک وہ قائم کوئی بنیاد کریں گے
بارک کوئی کر دے گی عطا ان کو گورنمنٹ
یا کالونی اپنی کوئی آباد کریں گے



صوت ہزار طائر بدھن نے سنی
کہنے لگا کہ بھاڑ میں بھیل کی چونچ جائے
اس نے کہا مقابلہ کا کب تھلیاں خیال
یہ تو وہی مثل ہے کہ کانا ہو کوچ جائے



مسجد کا ہے خیال نہ پروائے چرچ سے
جو کچھ ہے اب تو کالج و ٹیچر میں خرچ ہے



عزت کا ہے نہ اوج نہ نیکی کی موج ہے
حملہ ہے اپنی قوم پہ لفظوں کی فوج ہے
اس طرز تربیت پتہ ہیں اغیار خندہ زن
لاحول باپ کی ہے تو ماؤں کی فوج ہے



اسلام کی بو وہاں نہیں ہے مطلق
مسجد بھی ہے مولوی بھی ہیں ٹاٹ بھی ہے
دریا میں نہیں ہیں جوہر تیغ اکبر
گو آب بھی اس میں دھار بھی کاٹ بھی ہے



پیری نے دانت مجھ پہ لگایا ہے گھات سے
بانیں طرف کی ڈاڑھ میں ہے درد رات سے
بارہ سالے ایک طرف درد اک طرف
پتیل سے فائدہ ہے نہ کچھ تیج پات سے



نہ یہ قید شریعت ہے نہ یہ غفلت کا پردا ہے
رواج و مصلحت کی بات ہے حکمت کا پردا ہے
تمہیں دھوکے میں ڈالا ہے مثال اہل یورپ نے
ادھر سایہ حکومت کا ہے یاں عزت کا پردا ہے



کہتے ہیں ترک ملت انساں کو بات کیا ہے
تحقیق تو کرو تم حضرت کی ذات کیا ہے



خوب فرمایا یہ شاہِ جرمنی نے پوپ سے
وعظ ہم بھی کہتے ہیں لیکن دہان توپ سے
جد امجد خود میں کرتے تھے یہ موسمِ بسر
ہم کو اپنے عہد میں پالا پڑا کنٹوپ سے



رہ گئے نا آشنا احباب غائب ہو گئے
ہم نفسِ دو اک جو باقی تھے وہ صاحب ہو گئے
وقتِ بد میں کون رکھتا ہے رفاقت کا خیال
ہم نشیں اپنے رقیبوں کے مصاحب ہو گئے



کدھر جاتی ہے طبع اس کو کوئی کیا جانے
بصیرتِ جن کو ہے وہ جانیں اکبر یا خدا جانے



طریق حق میں بھی بہر ذرا چلنے
فٹن کی راہ نہیں ہے پیادہ پا چلنے



کہا جب غیر کو کیوں تو نے اے گل رو پھنسیا ہے
تو بولا دل لگی کے واسطے الو پھنسیا ہے
ادھر چاہ دقتن ہے اس طرف ہیں جال گیسو کے
ہمارے دل کو اس نے کر کے بے قابو پھنسیا ہے



گلوں کو دیکھ کر کہتا ہے وہ شوخ
ہمارا رنگ بھی پھیکا نہیں ہے



عاشقوں کے بھی معین ہو گئے ہیں اب حقوق
عہد انگریزی ہے یہ اے جان جاں شاہی گئی



قوم اور سلطنت ہیں دو چیزیں
نیچرل وہ ہے یہ ہے مصنوعی
نیچرل چیز بن نہیں سکتی
آئیں کیوں کر صفاتِ مجموعی



نہ رنگ انجمن وہ ہے نہ وہ مے کش نہ وہ ساقی
یہ دعوت کیا ہے بس ہے اک ادائے فرض اخلاقی
نہ وہ مکتب وہ ملا نہ وہ صورت نہ وہ سیرت
سوا نام خدا کے اب رہا کیا قوم میں باقی
کہاں وہ دعوت احباب کی طیاریاں اکبر
خمش سے ادا کرتا ہوں بس اک فرض اخلاقی



بے بصیرت ہے مگر تو منکر شیخ و ولی
ناگفتہ رہ گئی بے شک ترے دل کی کلی
چشم پیدا کن کہ بنی آشکار وہم نہاں
در قباے گلر خاں رنگ نبی ﷺ بوئے علیؑ



بلا طاقت یہ افلاک انساں کی نہیں چلتی
وہاں تو ریل چلتی ہے یہاں روٹی نہیں چلتی



پہلے تو دکھاتی تھی چمک اپنی گنی
اب پیش نگاہ ہیں پنس ۵۰ و پنی ۸۱۔
کہتے ہیں حریف پنس کے اب ازہ طعن
جب دین کو کھو دیا تو دنیا بھی چمنی



ہم نے واعظ کی خوب ڈاڑھی نوچی
یہ بات مگر نہ اپنے دل میں سوچی
مذہب کو شکست دے کے کیا پائیں گے
آخر کو رہیں گے موچی ہی کے موچی



فضل خدا سے عزت پائی آج ہوئے ہم سی ایس آئی
شیخ نہ سمجھے لفظ انگریزی بولے ہوئے ہیں یہ عیسائی



اب تک جو کہیں ہماری قسمت نہ لڑی
ماحق تھے ہم نشیں ہے فکر اس کی پڑی
انگریز کے ملک میں لڑائی کیسی
یہ ہند ہے یہاں خوش انتظامی ہے بڑی



روشنی جن میں نئی ہے وہ مری سنتے نہیں
لاکھ سمجھاؤ کہ صاحب ہے یہ فانی روشنی
انجم و شمس و قمر لیکن ہیں میرے ہم طریق
وضع پر قائم ہیں ان میں ہے پرانی روشنی



انگریزوں میں عادتِ سحر خیزی تھی
اندازِ روش میں اک دلاہیزی تھی!
مشرق کی ہوا وضع اب ہے بدلی
پہلے اچھی تھی خالص انگریزی تھی



تھے کیک کی فکر میں سو روٹی بھی گئی
چاہی تھی شے بڑی سو چھوٹی بھی گئی
واعظ کی نصیحتیں نہ مانی آخر
پتلون کی تاک میں لنگوٹی بھی گئی



مہدی کو برا بھلا جو چاہو وہ کہو
لیکن دکھلا دی اس نے بیوٹی اپنی
لاکھوں ہی کے ڈھیر کر دیئے کالج میں
پوری کر دی یہ اس نے ڈیوٹی اپنی



حقیقت میں تو سب جلوہ تھا ان کا
رہی اک حالت فرضی ہماری
خدا ہی سے دعا پر تھا بھروسا
کہیں گزری نہیں عرضی ہماری
خدا سے جب کہا مرتا ہے اکبر

کہا ہم کیا کریں مرضی ہماری



اقبال کے ساتھ اے خرد تو بھی گئی
غیرت کے ساتھ مذہبی یو بھی گئی!
سچ کہتے ہیں حضرت کرامت ۵۲ اکبر
رخصت ہوئی فارسی تو اردو بھی گئی



کیا پوچھنا ہے حکمتِ مغرب کا واہ واہ
فطرت بھی اس کو دیکھ کے حیران رہ گئی
مجھے تھے یہ کہ ایک ہیں ہم اور ہماری جان
دیکھا مگر کہ ہم نہ رہے جان رہ گئی



قطعہ

جو پائی ترکِ عبادات میں مثالِ بری
شروع ہی نے پکارا کہ ہے یہ فالِ بری
جنابِ حضرت سید پہ کھل گیا ہوگا
کہ ہوئی جاتی ہے بے قیدیوں سے چالِ بری
یہ بحث جانے وے اکبر کچھ اور باتیں کر
عبث ہے جب تو یقیناً یہ قیل و قالِ بری



خواہاں نوکری نہ رہیں طالبانِ علم
قائم ہوئی ہے رائے یہ اہل شعور کی
کالج میں دھوم مچ رہی ہے پاس پاس کی
عہدوں سے آ رہی ہے صدا دور دور کی



پاؤں کو بہت جھٹکا پٹکا زنجیر کے آگے کچھ نہ چلی
تدبیر بہت کی اے اکبر تقدیر کے آگے کچھ نہ چلی
یورپ نے دکھا کر رنگ اپنا سید کو مرید بنا لیا
سب پیروں سے تو وہ بچ نکلے اس پیر کے آگے کچھ نہ چلی



جہاں نے ساز بدلا ساز نے نغموں کی گت بدلی
گیتوں نے رنگ بدلا رنگ نے یاروں کی مت بدلی
فلک نے دور بدلا دور نے انسان کو بدلا
گئے ہم تم بدل قانون بدلا سلطنت بدلی



عجب حیرت آگئیں ہے یہ انقلاب
ہماری سمجھ کیا سے کیا ہوگئی
سمجھتے تھے سب جس کو بے صریح
وہی بات بالکل بجا ہوگئی



جو کام تھا گھنٹے کا نکلتا ہے وہ پل سے
خوش کیوں نہ رہیں لوگ فرنگی کے عمل سے
تاریخ تو خالدؓ کی پڑھو رات کو گھر پر
اور دن کو کچھری میں دیو نیل کمل سے



تماشا دیکھئے بجلی کا مغرب اور مشرق میں
کلوں میں ہے وہاں داخل یہاں مذہب پہ گرتی ہے



ایماں کی ہے تاک کافری ہے تو یہ ہے
تقویٰ بیدم ہے ساحری ہے تو یہ ہے
اعظم اکبر ہے دافع جادو و کفر
ماشاء اللہ شاعری ہے تو یہ ہے
حکیمانہ بزلہ سنجیاں



الایا ایہا الطفلك بچو راحت پہ ناولہا
کہ قرآن سہل بود اول و لے افتاد و مشکہا
بجن تزیین پائے خود پہ بوٹ ڈاسن و پتلوں
کہ سرسید خبردار و ذراہ و رسم منزلہا



دیکھئے قوال بیچارے کا اب کیا حشر ہو
شیخ صاحب کو تو لکچر پر بھی وجد آنے لگا
کیوں کرے گا پیش ہم جلوۂ خور بہشت
جب ٹھینگر کا سماں واعظ کو نرپانے لگا



پردے کا کیا ہے خود ارٹکا پیدا
خود ہم نے کیا ازار اور اڑکا پیدا
کیا خوب کہا ہے مولوی مہدی ۵۳ نے
نیچر نے کیا ہے ہم کو بنگا پیدا



مس کو دیکھا عاشق زلف چلیپا ہو گیا
مست تھا دل بھول کر وہسکی کا پیا ہو گیا



مخمس

بکری کو ساگ پات کا سودا نہیں رہا
بنگالیوں کو بھات کا سودا نہیں رہا
چوروں کو اپنی گھات کا سودا نہیں رہا
اور شاطروں کو مات کا سودا نہیں رہا

الجھا ہوا ہے چترہ و اسکول میں ہر ایک
 نبیوں کو اخذ سود کی فرصت نہیں رہی
 منعم کو داد و جود کی فرصت نہیں رہی
 لڑکوں کو کھیل کود کی فرصت نہیں رہی
 کودن کو غت ربود کی فرصت نہیں رہی
 الجھا ہوا ہے چترہ و اسکول میں ہر ایک
 گاہک کو مول بھاء کی پروا نہیں رہی
 مانجھی کو اپنی ماؤ کی پروا نہیں رہی
 دل کو کہیں لگاؤ کی پروا نہیں رہی
 چوہوں کو نان پاؤ کی پروا نہیں رہی
 الجھا ہوا ہے چترہ و اسکول میں ہر ایک
 بچے فراغ طبع سے اب کھیلتے نہیں
 ابھرے ہوئے جوان بھی ڈنڈ پلٹے نہیں
 عشاق رنج ہجر بتاں جھیلتے نہیں
 پاپڑ فروش پاپڑوں کو بیلے نہیں
 الجھا ہوا ہے چترہ و اسکول میں ہر ایک
 لیتا ہے کون گرمی دل سے خدا کا نام
 اب کون دھیان باندھ کے کرتا ہے رام رام
 مذہب کو دور ہی سے کیا جاتا ہے سلام
 کوشی کو ہے فروغ نہ رونق پہ ہے گدام
 الجھا ہوا ہے چترہ و اسکول میں ہر ایک

کم ہو گیا ہے لوگوں میں آپس کا میل جول وہ ٹولیاں نظر نہیں آتیں نہ اب وہ غول تاٹے نہ شادیانے کے بجتے کہیں نہ ڈھول ملبوط بدحواس پریشان گول مول الجھا ہوا ہے چندہ و اسکول میں ہر ایک اسکول ہی میں علم ہے جس سے کہ ہے شرف لڑکا نہ سیکھے علم تو کہتے ہیں ناخلف لیکن کچھ اور دھندے بھی ہیں پیش صنف بصف یہ کیا کہ ساری قوم ہی جھک جائے اک طرف الجھا ہوا ہے چندہ و اسکول میں ہر ایک چندت پراجا کے بنارس پہ آرہے مرکٹ کے شیخ شہر بھی نو۸۴ لیس۸۵ پہ آرہے حالی غزل کو چھوڑ مسدس پہ آرہے ہم فرد تھے سو ہم بھی خمس پہ آرہے الجھا ہوا ہے چندہ و اسکول میں ہر ایک کونسل میں نکتہ چنیوں کی ٹولی بہت پٹی اچھا ہوا سنبھل گئی اب یونیورسٹی بیکار کالجوں سے بھرے گا نہ ہر سٹی اس بل سے یہ شکایت احباب بھی مٹی الجھا ہوا ہے چندہ و اسکول میں ہر ایک



مری نظروں میں یکساں ہیں کُتر ہوں یا گنوا ماتا
مجھے کرتے جو وہ مدعو کتھا میں بھی جھوم آتا



ہم میں کیوں ضعف ہو جب دین سے یورپ نہ پھرا
مسجدیں کیوں جھکیں جب توپ سے گر جا نہ گرا
پیر مفاں سے رات کیا میں نے یہ گلا
مغموم ہوں یہاں بھی مزا کچھ نہیں ملا
اس نے یہ مسکرا کے کہا ازرا مزاح
جینے کی کس نے تم کو بڑھا پے میں دی صلاح
میں نے کہا کہ بعض نو دسالہ پیر مرد
اب تک اڑ رہے ہیں درے کدہ کی گرد
کہنے لگا کہ ان پہ عبث ہے تری نظر
غفلت کا ہے وہ نشہ جوانی سے تیز تر



زما نہ کہہ رہا ہے سب سے پھر جا
نہ مندر جا نہ مسجد جا نہ گر جا



ایسا شوق نہ کرنا اکبر
گورے کو نہ بنانا سالا

بھائی رنگ یہی ہے اچھا
ہم بھی کالے یار بھی کالا



کرتے تھے بتوں سے خوب جوڑا مانجھا
رہتے تھے مشیر برہمن اور اوجھا
برکت ہے اسی کی اس صدی میں حضرت
بیٹھے ہوئے کر رہے ہیں چاچھا جاجھا



رحمن پکاری کہ نیدھا بوا
عجب جانور ہے یہ کا کا توا
بتاؤ ذرا عقل ہے میری گم
کدھر چونچ ہے اور کدھر اس کی دم



کرزن و کچر کی حالت پر جو کل
وہ صنم تشریح کا طالب ہوا
کہہ دیا میں نے کہ ہے یہ صاف بات
دیکھ لو تم زن پہ تر غالب ہوا



بات سید کی کچھ ایسی تھی کہ جس نے اس کو
کاٹنا چاہا زمانے میں وہ بس آپ کاٹا

کہتے پھرتے ہیں یہ اب کانگری ہر سو
مرگیا کول کا بوڑھا یہ چلو پاپ کٹا



پانی پینا پڑا ہے پاپ کا
حرف پڑھنا پڑا ہے ناپ کا
پیٹ چلتا ہے آنکھ آئی ہے
شاہ ایڈورڈ کی دہائی ہے



نیچر نے دے دیا ہے پٹہ رجولیت کا
کیوں کر نہ ہوں بتوں سے طالب قبولیت کا



پرچہ رکھا جو اس نے میں یہ سمجھا
پاکٹ میں یہ بیس ۸۶۔ روپیہ کا نوٹ گیا
گھر پر کھولا تو بس یہی لکھا تھا
کیا شعر تھے واہ واہ میں لوٹ گیا



اس سال ۷۷ نہیں گریٹ ۷۸ ہونا اچھا
دل ہونا بڑا ہے پیٹ ہونا اچھا
پنڈت ہو کہ مولوی ہو دونوں بیکار
انسان کو گریجوایٹ ۷۹ ہونا اچھا



بن پڑے تو قبلہ ہی بننا مناسب ہے تجھے
دقتوں میں وہ پھنسا جو اسکوار ہو گیا
دیدنی ہے یہ تماشائے مشین انقلاب
باپ تو قبلہ تھے بیٹا اسکوار ہو گیا
شیخ صاحب یہ تو اپنے اپنے موقع کی ہے بات
آپ قبلہ بن گئے میں اسکوار ہو گیا
اب تو مجھ کو بھی مناسب ہے کہ پیواری بنوں
یار کو شوق حساب مال و سائر ہو گیا
فکرِ دنیائے بھلایا سب وہ قرآن و حدیث
مولوی بھی محو قانون و نظائر ہو گیا



دکھائی فلسفہ مغربی نے وہ مردی
کہ پردہ کھل گیا اس قوم میں زنانوں کا
پری کی زلف میں الجھا نہ ریش واعظ میں
دل غریب ہو القمہ امتحانوں کا
وہ حافظہ جو مناسب تھا ایشیا کے لیے
خزانہ بن گیا یورپ کی داستانوں کا



یہی سبب ہے اب ان کی باتوں پہ کان دھرتے نہیں لڑکے

کھنچا نہ ہو دست مولوی سے نہ تھا یہاں کوئی کان ایسا
 مچائی سنیے میں اس نے شورش اڑائے اس نے زباں کے نکلے
 میں جلد رخصت ہوا وہاں سے کہ حقہ ایسا تھا پان ایسا
 وہ ہنس کے بولا جگہ کہاں ہے دکھاؤں کارگیری جو اپنی
 کہا تھا منکر سے میں نیاک دن بنا تو لے آسمان ایسا



عہدِ اسلام و عہدِ انگلش میں
 سنئے قول اکبرِ سخن گو کا
 پہلے توحید تھی تو اب تحصیل
 آگے نکل ایک کا تھا اب دو کا



پکالیں پیس کرو روٹیاں تھوڑے سے جو لانا
 ہماری کیا ہے اے بھائی نہ مسٹر ہیں نہ مولانا



ممکن نہیں ان کے حکم سے سر پھیروں
 دل میں مرے اب تو ان کا ڈر بیٹھ گیا
 ان کو یہ خوشی کہ اب رہے گا یہ غلام
 مجھ کو یہ خوشی کہ قافیہ بیٹھ گیا



سنتا نہیں کچھ کسی سے بڑھ بڑھ کے سوا

کہتا نہیں کوئی کچھ پڑھ پڑھ کے سوا
پڑھنے کا نہ ٹھیک اصول بڑھنے کی نہ راہ
اور قبلہ کوئی نہیں علی گڑھ کے سوا



ہر ایک کو خوش کروں میں کیوں کر صاحب
اپنی ہی طرف بلاتے ہیں ہر صاحب
آسائش عمر کے لیے کافی ہے
بی بی راضی ہوں اور کلکٹر صاحب
تم نے جو سنا صحیح ہے ہاں صاحب
عربی سے گریز کرتے ہیں خاں صاحب
سچ کہتے ہیں وہ کہ ہم کو اس سے کیا کام
ہیں کمپ میں ہم تو خانساں صاحب



اندھیرا مچا ہے زیر فلک خلقت بھی ہے چپ اور راج بھی چپ
ہم دیکھ رہے ہیں آنکھوں سے کل بھی تھے چپ اور آج بھی چپ
صاحبزادے نشہ میں ہیں اور بیف کنور جی کی ہے ٹفن
ہیں مولوی صاحب قبلہ بھی چپ اور پنڈت جی مہراج بھی چپ



سکہ زر بابوئے در دھوتی زر تارداشت
باوجوش نالہائے زار در اخبار داشت

کفتمش در عین وصل این ناله و فریاد چیست
گفت مارا خوفِ فیس و نکس در این کار داشت



اسلام کو جو کہتے ہیں پھیلا بزور تیغ
یہ بھی کہیں گے پھیلی خدائی بزور موت



ی دآمدن بت کنار گنگ ناقوسِ طرب
ندہ شخم مگر در گوشتی افتادہ است



در پس ہر گر یہ آخر خندہ ایست
بعد ہر پہنچ آخر چندہ ایما
یاد دار این قول مولانائے روم
مراہِ آخر ہیں مبارک بندہ ایست



پشم بیدار است و پکھاکش بخواب افتادہ است
اکبر بے چارہ امشب در عذاب افتادہ است



زر قوم سے لے کے ایسا سامان کرو
جس سے کہ تمہاری بزم بن جائے بہشت

حلوئے مانڈے سے کام رکھو بھائی
مردہ دوزخ میں جائے یا پائے بہشت



پردہ میں ضرور ہے طوالت بے حد
انصاف پسند کو نہیں چاہے ہٹ
تشبیہ بری نہیں اگر میں یہ کہوں
پیگم ہے چپو ان لیڈی سگرٹ



ہر رنگ کی باتوں کا مرے دل میں ہے جھرمٹ
اتحیر میں کچھا ہوں علی گڑھ میں ہوں بسکٹ
پابند کسی مشرب و ملت کا نہیں ہوں
گھوڑا مری آزادی کا اب جاتا ہے بگٹ



شیطان نے دیا یہ شیخ جی کو نوٹس
بالکل ہی گیا ہے زور اب آپ کا ٹوٹ
آئندہ پڑھیں گے آپ لاجول اگر
فوراً داغوں گا اک ڈسمیشن ۹۱ سوٹ



شیطان کا سنا جو شیخ صاحب نے یہ قول
بولے کہ فضول تجھ کو آتا ہے یہ ہول

میں خود ہوں بدل گیا زمانے کے ساتھ
پڑھتی ہے مجھی پہ اب تو دنیا لاجول



حضرت اکبر سے سن کر یہ لطیفہ بزم میں
سب ہنسے کچھ رہ گئے خونِ جگر کے پی کے گھونٹ
شیخ جی رزف بنے پھرتے تھے پہلے چرخ
چشم بد دور اب بنے ہیں آپ کمریٹ کے اونٹ



کودے پھرتے ہیں یہ باغ میں ملبو کی طرح
باغباں دیکھ ہوئے بیٹھے ہیں الو کی طرح



ان نئی روشنی والوں سے نہیں ہے کچھ فیض
ہب تاریک میں چکا کریں جگنو کی طرح
آگئی زلفِ مساں زلفِ بتاں پر غالب
بچے ہوتے تھے بجم انبی و راسو ۹۲ء کی طرح
اکبر اس عہد میں لو صبر تحمل سے جو کام
اس سے بہتر ہے کہ غصہ کرو بابو کی طرح



سید کی طرف تو چندہ لانے کی ہے بیچ
اور شیخ کے گھر میں بیچگانے کی بیچ

ہتر ہے یہی کہ بت پرستی کیجئے
گو اس میں بھی صبح کو نہانے کی تیج



محر مسلم شکایت باخدا کرد
کہ تفسیرش بما دیدی چہا کرد
من از بیگانگان ہرگز نہ عالم!
کہ با من آنچہ کرد آں آشنا کرد



اکبر اگرچہ موسم باراں خوش است خوب
لیکن چہ گوش و چشم دریں فصل و آکنید
مچھر دو دکہ گوش بفریاد بندہ نیز
بھنکارسد کہ گوشہ چشمے بما کنید



بگو بہ سیٹھ کہ اورا بھرم نہ خواہد ماند
بگو بہ برہمن اورادھرم نہ خزاہد ماند
من ارچہ در نظر یار شرمسار شدم
رقیب نیز چنین محترم نہ خواہد ماند



تہہ پہ ہے شبہ و حقارت کی نظر
پتلون پہ غصہ و شرارت کی نظر

بہتر ہے یہی برہنہ پھرے اکبر
شاید پڑ جائے ان کی رغبت کی نظر



جو دونوں ساتھ پڑیں تو یہی مناسب ہے
کہ اپنے گھر میں کرسمس بھی کر تو عید بھی کر
خدا کرے کوئی بت آکے یہ کہے مجھ سے
بٹھا بھی لے مجھے گذر میں مجھے مرید بھی کر
جو سن چکے مری غزلیں تو بولے لا چندہ
جو ہنہنایا ہے اتنا تو آج لید بھی کر



اس بت کے لیے ہے دہر میں فصل بہار
اک تحت رواں پہ پھرتا ہے لیل و نہار
کہتا ہے اٹھاؤ اس کو یہ ہے مرا عرش
کہہ دو اکبر کہ میں فرشتہ نہ کہار



انہیں شوقِ عبادت بھی ہے اور گانے کی عادت
اُٹکتی ہیں دعائیں ان کے منہ سے ٹھمریاں ہو کر
تعلق عاشق و معشوق کا تو لطف رکھتا تھا
مزے اب وہ کہاں باقی رہے بی بی میاں ہو کر
نہ تھی مطلق توقع بل بنا کر پیش کر دو گے

مری جاں لٹ گیا میں تو تمہارا میہماں ہو کر
 حقیقت میں میں ہبل ہوں مگر چارے کی خواہش میں
 بنا ہوں ممبر کونسل یہاں مٹھو میاں ہو کر
 نکالا کرتی ہیں گھر سے یہ کہہ کر تو تو مجنوں ہے
 سنا رکھا ہے مجھ کو ساس نے لیلیٰ کی ماں ہو کر
 رقیب سفلہ خوشہرے نہ میری گہ کے آگے
 بھگایا چمھروں کو ان کے کمرے سے دھواں ہو کر



پائے در پتلون و دل در پیشواز
 چند روزے باہمیں حالت بساز



سنتا ہوں محال ہے خدائی سے گرین
 لیکن کہتا تھا مجھ سے کل اک انگریز
 تم مانگ لو اپنے شاعروں سے گھوڑا
 فطرت کے حدود سے زیادہ ہے وہ تیز



آگے اجن کے دین ہے کیا چیز
 بھینس کے آگے بین ہے کیا چیز



ہند میں شیخ رہ گیا افسوس

اُونٹ گنگا میں بہہ گیا افسوس
دیکھ کر ہم کو ایسے دلدل میں
راہ چلتا بھی کہہ گیا افسوس



عاشق کا خیال ہے بہت نیک معاش
ہونے نہیں دیتا حسن کے راز کو فاش
کیوں ۹۳ وصل میں جستجو کمر کی وہ کرے
حاضر میں نہ حجت اور نہ غائب کی تلاش



بی شیخانی بھی ہیں بہت ذی ہوش
کہتی ہیں شیخ سے بہ جوش و خروش
خواہ لنگی ہو خواہ ہو تہد
در عمل کوش ہرچہ خواہی پوش



دل نے یہ کہا کہ دین کے جو نہ ہوں دوست
ہرگز رکھوں گا میں نہ ایسوں سے غرض
میں نے یہ کہا کہ خیر بہتر ہے مگر
اب شیخ کو بھی ہے چار پیسوں سے غرض



مذہب کے جو ہو رہیں تو سرکار کا خوف

مذہب سے اگر پھریں تو پھٹکار کا خوف
دونوں سے اگر بچیں تو احباب کو ہے
بے روٹی دکان و دربار کا خوف



اونچے ہیں رذیل اور زیر شریف
قسمت کا یہ دیکھتے ہیں اب پھر شریف
اکبر یہ مجتبیٰ نے دی خوب صلاح
چل دیجئے بھائی صاحب اقمیر شریف



پٹے نے کہا سب نشینی میری
ہے قابل داد اگر کریں آپ انصاف
میں نے یہ کہا بجا ہے لیکن یہ نیش
ہے بارگراں و تلخ تفسیر معاف



فرمائیں مرا قصور حضرت جو معاف
جو امر ہے واقعی گزارش کروں صاف
انکار نہیں نماز روزے سے مجھے
لیکن یہ طریق اب ہے فیشن کے خلاف ۹۴۔



عالم بنے تو کیجئے مات کا شوق

مستر بنے تو ہو مساوات کا شوق



چکر ہی میں آپ کو پھنسا رکھوں گا
مجھ کو بھی ہوا ہے اب اسی بات کا شوق



شمع سے تشبیہ پا سکتے ہیں یہ عیاش امیر
رات بھر پگھلا کریں دن بھر رہیں بالائے طاق



ہندو تنتے ہیں تھام کر گائے کے سینگ
آغا گرمی دکھاتے ہیں بیج کے ہینگ
لیکن حضرت کو ہے یہ کس چیز پہ ناز
کالج میں ڈلے ہوئے اڑاتے ہیں جو ڈینگ



کبھی ترقی کیسا میل
ہم سے سن لو اس کا کھیل
جس کی لاٹھی اس کی بھینس
فعل فعل فعل فعل



اکابر سے حساب دوستانہ نبھ نہیں سکتا

غلط فہمی بہت ہوتی ہے پڑ ہی جاتی ہے مشکل
یہ کہہ کر پیش کر دے فرد اخراجات اے اکبر
حساب دوستاں درد دل حساب خادماں درہل



کہتی ہے زراہ کبر مجھ سے وہ گرل ۹۵
کیا تجھ سے ملوں کہیں کا تو ڈیوک ۹۶ نہ رال ۹۷
اکبر نے کہا دکھا کے داغ دل و اشک
ہے میری گرہ میں بھی یہ روٹی ۹۸ یہ پرل ۹۹



خوشی سے میں نے کیے یہ نفیس آم قبول
ادائے شکر میں اب ہو مرا اسلام قبول
نہ میں خن کا ہوں تاجر نہ طالب شہرت
اسی سے کیا کرتی ہے پبلک مرا کلام قبول
زمانہ دیکھئے کہتے ہیں چٹت ازہ طعن
میاں ہماری بھی ہو جائے رام رام قبول
وحید صبح بنارس کی موج میں ہیں پڑے
بھلا وہ کرنے لگے کیوں اودھ کی شام قبول
سنی جو ہوں بت کسن کی بول اٹھے آغا
کر معتبر نہ شماریم ناتمام قبول
موسوں کے ہوتے ہوئے کیوں بتوں کو میں دل دوں

ملے حلال تو پھر کیوں کروں حرام قبول
 منیر صورت مہر منیر تاباں ہوں
 کریں خواص و عوام ان کا احترام قبول
 نہ ہو جو وہسکی لندن تو گھر کا ٹھرا ہو
 نہیں ہے بنگ کا مجھ کو تو کوئی جام قبول



اس قدر رنگ اڑا ہو گئے رنگیں اوارق
 چوک میں پادری صاحب نے جو کھولی ہیل
 نس کے اکبر نے کہا رنج نہیں کچھ اس کا
 ہو گئی اب تو حقیقت میں یہ ہولی ۱۰۰۰ ہیل



شیخ صاحب کو نہیں شاعروں کی بات سے کام
 حسن کی قید نہیں بس ہے مسماۃ سے کام
 یاں تو بریانی کے افسانوں سے دل بریاں
 بابو ہی اچھے کہ ان کو ہے فقط بھات سے کام



کہتے ہیں ہم کو جو چندہ دے مہذب ہے وہی
 اس کے انفعال سے مطلب ہے نہ عادات سے کام



ماسٹر صاحب کا علم اس وقت گو ہے نیک نام

اہل دانش میں مگر میر فزوں ہے احترام
بات بالکل صاف ہے پیچیدگی کچھ بھی نہیں
میں ہوں سعدی کا بھتیجہ وہ ہیں ملٹن کے غلام



مذہب نے کر دیا تھا ہر اک کو غریقِ نوم
تھے بتائے حج و صلوٰۃ و زکوٰۃ و صوم
دنیا و دیں کا فیصلہ آخر کو یہ ہوا
عشق بتاں شباب میں پیری میں عشقِ قوم



میں انعامِ قلیلا کو بھی دیکھو بعد اوتیتم
نہ مانو گے تو اک دن بھائیو کھاؤ گے جوتی تم



تجھ کو کیا کسی کی ہوا ہے فدائے گل
مجھ کو کیا کسی کی ادا ہے فدائے قوم
آعندلب مل کے کریں آہ و زاریاں
تو ہائے گل پکار میں چلاؤں ہائے قوم



آپ کی فرقت میں میں کل رات بھر سویا نہیں
لیکن اتنی بات تھی گاتا رہا رویا نہیں
نوش جاں فرمائیں حضرت شوق سے یہ ناشتا

چھ بجے ہیں میں نے تو منہ بھی ابھی دھویا نہیں



بوسہ کیا کہ گھوری بھی نہیں پاتا ہوں
اور کچھ کیا بس کلام اپنا انہیں جا کے سنا آتا ہوں
وہ یہ فرماتے ہیں کیا خوب کہا واللہ
میں یہ کہتا ہوں کہ آداب بجالانا ہوں



ہم کیا خالی ہوائی گولا چھوڑیں
کس جوگ کے بل پر اپنا چولا چھوڑیں
حضرت نے تو چھاؤنی میں رکھی ہے دکان
ہم کیوں اپنا محلہ ٹولہ چھوڑیں



خلاف شرع کبھی شیخ تھوکتا بھی نہیں
مگر اندھیرے اجالے یہ چوکتا بھی نہیں



سوپ اے کا شائق ہوں یخنی ہوگی کیا
چاہے کلٹ ۱۰۲ یہ قیما کیا کروں
لیتھبرج کی چاہے ریڈر مجھے
شیخ سعدی کی کریمہ کیا کروں
کھینچتے ہیں ہر طرف تانیں حریف

پھر میں اپنے سر کو دھیمہ کیا کروں
 ڈاکٹر سے دوستی لڑنے سے ہیر
 پھر میں اپنا جان بیٹا کیا کروں
 چاند میں آیا نظر غار مہیب
 ہائے اب اے ماہ سیمہ کیا کروں



زور پر ہے شہر میں طاعون چارا کیا کروں
 لاٹ صاحب تک ہیں چپ پھر میں بچا کیا کروں



نیچری وعظ مہذب کو لئے پھرتے ہیں
 شیخ صاحب ہیں کہ مذہب کو لئے پھرتے ہیں
 ہم کو ان تلخ مباحث سے سروکار نہیں
 ہم تو اک شوخ شکر لب کو لئے پھرتے ہیں



بے سودا اشعار اور کبت ہوتے ہیں
 مفلس سے کہاں وہ ملتفت ہوتے ہیں
 کر سچ تو عشق کے اکھاڑے میں ہزار
 یہ بت تو بزور زر ہی چت ہوتے ہیں



سچ کہا اکبر نے ہاتھ پائی کا ہے کیا علاج

زورِ منطق سے تو ممکن ہے انہیں ساکت کریں
 بدگماں ہرگز نہ ہوں وہ ہم جو ان کو چت کریں
 ہے فقط یہ مدعا ان کی کمر ثابت کریں
 شیخ جی فرہ تھے ان کی طبع میں جدت کہاں
 مغربی جو ہر مگر بلغم کو چاہیں پت کریں



چپکوں دنیا سے کس طرح میں
 عورت نے کہا کہ گوند میں ہوں
 قومی چندے کدھر سائیں
 کالج نے کہا کہ توند میں ہوں



ماشاء اللہ وہ ڈنر کھاتے ہیں
 بنگالی بھائی ان کا سر کھاتے ہیں
 بس ہم ہیں خدا کے نیک بندے اکبر
 ان کی گاتے ہیں اپنے گھر کھاتے ہیں



یورپ والے جو چاہیں دل میں بھر دیں
 جس کے سر پر جو چاہیں تہمت دھر دیں
 بچتے رہو ان کی تیزیوں سے اکبر
 تم کیا ہو خدا کے تین نکلے کر دیں



کوٹھی میں جمع ہے نہ ڈپازٹ ہے بینکس ۱۰۳ء میں
قلاش کر دیا مجھے دو چار ٹھیکس ۱۰۴ء میں



لذت چاہو تو وصل معشوق کہاں
شوکت چاہو تو زر کا صندوق کہاں
کہتا ہے یہ دل کہ خود کشی کی ٹھہرے
خیر اس کو بھی مان لیں تو صندوق کہاں



شبوں میں کورس دن میں فارمولا ۵۱ء ورک کرتے ہیں
عدیم الفرستی سے ان کی الفت ترک کرتے ہیں



آپ کی صورت بہت اچھی ہے اس میں شک نہیں
پھر مجھے کیا ذہن میں اس کا جواب اب تک نہیں
مجھ سے آخر آپ کو کیوں اس قدر وحشت یہ خوف
آپ بنگالی نہیں ہیں اور میں ازبک نہیں



گوکہ وہ کھاتے پڈنگ اور کیک ہیں
پھر بھی سیدھے ہیں نہایت نیک ہیں

جب میں کہتا ہوں کہ گیومی کس ۱۰۶ ڈیر
سر جھکا کر کہتے یو مے فیک ہلے ہیں



تن رہے ہیں آپ فکرِ جاہ کے پتلون میں
میں گھلا جاتا ہوں فکرِ رزق کی انڈون میں



حالِ دنیا سے بے خبر ہیں آپ
گو تقدس مآب بے شک ہیں
شیخ جی پر قول صادق ہے
چاہ زمزم کے آپ مینڈک ہیں
شیخ جی کو جو آگیا غصہ
لگے کہنے یہ پھینک کر دھسا
تم ہو شیطان کے مطیع و مرید
تم کو ہر ایک جانتا ہے پلید
ہے تمہاری نمود بس اتنی
جس طرح ہو پڑی پریڈ پہ لید



کل مسرتِ عیش و ناز تھے ہوٹل کے ہال میں
اب ہائے ہائے کر رہے ہیں اسپتال میں
دنیا اسے قرار دو اور آخرت یہ ہے

سن لو کہ سازِ معنی اکبر کی گت یہ ہے



سنا کے مصرع یہ شیخ صاحب بہت زیادہ ہنسا چکے ہیں
ہماری گردن وہ کیوں نہ ماریں جو ناک اپنی کٹا چکے ہیں



رقیبوں نے ریٹ لکھوائی ہے جا جا کے تھانے میں
کہ اکبر نام لیتا ہے خدا کا اس زمانے میں



مے کی طرف سے معذرت
قسمت وہ کہاں کہ اب وہ تقسیم نہیں
کیوں کر وہ اثر ہو جب وہ تعلیم نہیں
لغزش پہ مری برا نہ مانو اے شیخ
وہسکی کی ہے لہر موجِ تنہیم نہیں



مچھروں نے بہت ستایا رات
میں نے کوسا کہ ہو تمہیں طاعون
بولے اس کا ہمارا منع ایک
کیوں وہ کرنے لگا ہمارا خون



گئے کول حافظ محمد حسین!
 تو مہدی سے بولے یہ حاجی مدن
 کہ کر دیجئے ان کی دعوت ضرور
 وہ ہیں صلاح و دانش و علم و فن
 وہ ہیں مولوی آپ بھی مولوی
 ذرا دیکھ لیں رونق انجمن
 وہ بولے مرا ان کا کیا جوڑ ہے
 میں گلڈنگ ۱۰۸ ہوں وہ ہیں اسٹیلین ۱۰۹



وہ لطف اب ہندو و مسلمان میں کہاں
 اغیار اُن پر گذرتے ہیں خندہ زماں
 جھگڑا کبھی گائے کا زباں کی کبھی بحث
 ہے سخت مضر یہ نسخہ گاؤ زباں



چندوں ہی کے سوچتے ہیں ان کو مضمون
 دل شاد ہو اس سے قوم یا ہو خروں
 لڑکے انہیں دیکھ کر مچاتے ہیں دھوم
 یہ ہیں نئی روشنی کے چندا مانموں



اعزازِ نسب کے مٹتے جاتے ہیں نشان

اگلے سے خیال ہند میں اب وہ کہاں
سید بننا ہو تو بنو سرسید
ہونا ہو خان تم ہو انگریزی خوان



متفرق شعر ہیں قطعہ نہیں ہے

پردہ اٹھا ہے ترقی کے یہ سامان تو ہیں
حوریں کالج میں پہنچ جائیں گی غلام تو ہیں
کٹ گئی ناک حرم میں تو نہیں کچھ پروا
تھینک یو دیر میں مننے کے لیے کان تو ہیں
خاصدان آگے بڑھا کر مری باتوں پہ کہا
آپ کیوں جان مری کھا رہے ہیں پان تو ہیں
ان سے ملنے میں ہے ایمان کا نقصان اکبر
خیر جو کچھ ہو نکلتے مرے ارمان تو ہیں



وہ ایسی ریش والے کو بھلا کب پان دیتے ہیں
جناب شیخ ماحق اس ہوں میں جان دیتے ہیں



کیوں کرتا ہے اعتراض بے شرم
اس کا جو میں ہم زباں نہیں ہوں
گو ہوں نئی روشنی کا شیدا
گو میں شرعی جواں نہیں ہوں
کرتا نہیں لیکن اس کی عظمت
اس کا افسانہ خواں نہیں ہوں
کرتا نہیں قوم پر اسے پیش

عیاں ہوں قلعہاں نہیں ہوں



غزل میری سنتے نہیں شیخ جی
تقدس کی بھی انتہا ہوگئی
تکلف کے پکوان میں دن ڈھلا
ہماری تو پوری سزا ہوگئی
اضافہ ہوئی مجھ سے گندم پہ مے
یہ پوتے سے بھی اک خطا ہوگئی
یہ تھی قیمت رزق ٹوٹے جو دانت
غرض کوڑی کوڑی ادا ہوگئی



پیارا ہے ہم کو شیخ ہمارا برا سہی
چاقو ولایتی نہیں دیسی چھرا سہی
اکبر کا نغمہ قوم کے حق میں مفید ہے
دل کو تو گرم رکھتا ہے وہ بے سرا سہی



رہا کرتا ہے مرغ فہم شاکی
نئی تہذیب کے انڈے ہیں خاکی
چھتری سے ان کی کٹوا کر فلک نے
خدا جانے ہماری ناک کیا کی



ابھی انجن گیا ہے اس طرف سے
کہے دیتی ہے تاریکی ہوا کی
رہی رات ایشیا غفلت میں سوتی
نظر یورپ کی کام اپنا کیا کی



ہے عجب انقلاب دنیا میں
کیا کہوں بات بھائی صاحب کی
اب وہ تسبیح پر بجائے درود
پڑھ رہے ہیں دہائی صاحب کی



ہوئی جب آمد پیری ہوا میں سرکہ پیشانی
ترش روئی کی چٹنی جوڑ ہے ڈاڑھی ہو جب کچھڑی
سوال اب یہ عبث ہے جب ہے پتلونوں کی ارزانی
چو کفر از کعبہ بر خیز و کجا ماند مسانی



کچھ سین خوش آتے ہیں نہ بھاتے ہیں نہرجی
میں زیلۂ کا طالب ہوں نہ خواہان انرجی



سنتا نہیں لکچر میں پڑا رہتا ہوں دن رات
لگتا ہے فقط لیڈیوں میں دقت ڈنر جی



کمپ میں محروم ہوں میں لطف خاطر خواہ سے
آگیا ہوں تنگ مذہب کی معاذ اللہ سے



وضع مغرب سیکھ کر دیکھا تو یہ کافور تھی
اب میں سمجھا واقعی ڈاڑھی خدا کا نور تھی



علم پر بھی عشق کی تاثیر آخر پڑ گئی
تخننے کی بات پبلک کے دلوں میں گڑ گئی
وصل کی شب میں اس بت سے لڑائی تھی زباں
یہ اثر اس کا ہوا اردو سے ہندی لڑ گئی ۱۱۲



سائنس سے زیادہ ہے مذہب کی جڑ بڑی
توپوں کی مار سے بھی خدا کی پکڑ بڑی
بابو یہ کہتے ہیں کہ دھرم جیت جائے گا
اس وقت گو ملکش نے ڈالی ہے گڑ بڑی



کچھریوں میں ہے پرش گڑبجونیوں کی
سرک پہ مانگ ہے قلیوں کی اورمیٹوں کی
نہیں ہے قدر تو بس علم دین و تقویٰ کی
خرابی ہے تو فقط شیخ جی کے بیٹوں کی



مقصود ہے شغل کوئی مضمون سہی
پیانہ مے نہیں تو افیون سہی
ہنگامہ موت بھی ہے اک جشن اکبر
گرجنگ نہیں تو خیر طاعون سہی



لذت مان جویں تجھ کو مبارک اے شیخ
مجھ گناہ گار کو ہے صرف تنجن کافی
حضرت خضر نکٹ مجھ کو دلا دیں اکبر
رہنمائی کے لیے ہے مجھے انجن کافی



وحشت نئی روشنی سے آخر کو گھٹی
فکر روزی میں شیخ کی طبع ڈٹی
کرکٹ جمناسٹک ٹریننگ کالج
مولانا سیکھتے ہیں بافعل نئی



امور ملکی کی بحث میں تم جو ہندوؤں کے بنو گے ساتھی
 نہ لاث صاحب خطاب دیں نہ راجہ جی سے ملے گا ہاتھی
 نہ اپنا مکھن وہ تم کو دیں گے نہ اپنی پوری وہ بانٹ دیں گے
 پڑے گا موقع جو کوئی آ کر تو دونوں ہی تم کو چھانٹ دیں گے
 مگر وہ رسپے ہیں دور تم سے یہ لوگ ساتھی ہیں اور پڑوسی
 ملے جلے ہیں سوسائٹی میں ابیران میں تو ہم ہیں گھوسی
 ہزل کو اپنی جو چھوڑ کر تم انہیں کی شرکت کروڑیل میں
 تو یہ تو کوئی نہ کہہ سکے گا تمہارے دشمن کہاں بغل میں
 نہ ہوگی حکام کو بھی دقت جو ہوگی اک چاہراک کی خواہش
 ضرورت ان کو بھی یہ نہ ہوگی کریں ہراک سے علیحدہ غرض
 جو مانگو گے ایک پھل مسلم وہ کاٹ کر ایک پھانک دیں گے
 چلاؤ گے پھر بھی منہ تو سب کو وہ ایک لاٹھی سے بانگ دیں گے



اُن کے دستِ نازنین سے پائی ٹی ۱۳۱۱
 اب کہاں باقی ہے ہم میں پائی ٹی ۱۳۱۱



آخر کو ہونی وہ بات جو تھی ہونی
 مذہب مٹی ہے یا مٹی ہے ڈھونی



جو ست تھے ہو گئے ہیں وہ شتر حلیم

جو تیز تھے بن گئے ہیں پولو پونی



مذہب اور مولوی پہ گالی ہولی
اسٹیج پہ انجمن میں تالی ہولی
دروازہ منصفی ہے ہم پر کیوں بند
ہر بات تو اے جناب عالی ہولی



معنے جنگ اردو ہندی
میں یہ سمجھا بہ عالم رندی
یعنی ہے اس میں لطف وصل بتاں
خوب مل کر لڑی زباں سے زباں



اخلاق نکو و خوش تمیزی نہ سہی
القاب حبیبی و عزیزی نہ سہی
میٹھے پانی سے ہے زباں شیریں کام
جاں بخش حرارت عزیزی نہ سہی



بھائی مجھے کل یہ بات بی منی کی
تفریق اڑا دو شیعہ و سنی کی
جیسا موقع ہو بس بٹھا دو وہ نکلیں

ہیرے کی نہ شرط ہو نہ ضد چنی کی



ماتا نہیں گوشت خیر ہڈی ہی سہی
کچھ کھیل ضرور ہے پھسڈی ہی سہی
موقع جو پریڈ پر قواعد کا نہیں
چندہ تحصیل کر کبڈی ہی سہی



واہ کیا دھج ہے مرے بھولے کی
شکل کو لے کی ہیٹ سولے کی



مری نغاں پہ مس ناشناس بول اٹھی
کہ بابوؤں میں تو عادت ہے نل مچانے کی
بجائیں شوق سے ناقوس برہمن اکبر
یہاں تو شیخ کو دھن ہے بگل بجانے کی



کوئی شورش نہیں ہے ہر طرح سے خیر سلا ہے
نہ سرگرمی پولس کی ہے نہ جاری مارشل لا ہے
یہ کلکتہ ۵۵ء کی شوخی اور یہ ڈھاکہ ۶۶ء کی ادا بنجی
وہ اک فرشی کبڈی ہے یہ لفظی گیند بلا ہے
یہ دیسی ورزشیں ہیں مغربی جمناسٹک ہے وہ

نئے سن کی کتابیں ہیں کرمس کا پچھلا ہے



مہمانِ فلک کہاں سکوں پاتا ہے
آسودہ جو ہیں انہیں بھی ٹھہاتا ہے
ہے ہضم کی فکر میں یہ نقل و حرکت
ظاہر ہے صریح پیٹ دوڑاتا ہے



در پر مظلوم اک پڑا روتا ہے
بے چارہ بلا میں مبتلا روتا ہے
کہتا ہے وہ شوخ تاں سم ٹھیک نہیں
کیا اس کی سنوں کہ بے سرا روتا ہے



نہ وہ وضعیں نہ وہ رسمیں نہ چٹیا ہے نہ لٹیا ہے
مگر ہیں سختی کوئی قلی ہے کوئی عیا ہے



اٹھا تو تھا ولولہ یہ دل میں کہ صرف یاد خدا کریں گے
معا مگر یہ خیال آیا ملی نہ روٹی تو کیا کریں گے
کہاں کے قبلہ کہاں کے قبلی جنید کیسے کہاں کے شبلی
عوض تصوف کے ہم نے طب لی بنیں گے سرجن مزا کریں گے
اہل سے بھی پھر نہ ہوں گے خائف مزاج سے اپنے ہوں گے واقف

اثر کرے گی ہوا مخالف تو آپ اپنی دوا کریں گے



پوچھا میں نے کہ تیرا مذہب کیا ہے
کہنے لگا اس سے تیرا مطلب کیا ہے
میں نے یہ کہا کہ غول بندی کے لیے
بولا کہ شکست کھا چکے اب کیا ہے



اپنی گرہ سے کچھ نہ مجھے آپ دیجئے
اخبار میں تو نام مرا چھاپ دیجئے
دیکھو جسے وہ پانیر آفس میں ہے ڈٹا
بہر خدا مجھے بھی کہیں چھاپ دیجئے
چشم جہاں سے حالت اصلی چھپی نہیں
اخبار میں جو چاہیے وہ چھاپ دیجئے
دعویٰ بہت بڑا ہے ریاضی میں آپ کو
طول شب فراق کو تو ناپ دیجئے
سنتے نہیں ہیں شیخ نئی روشنی کی بات
انجن کی ان کے کان میں اب بھاپ دیجئے
اس بت کے در پہ غیر سے اکبر نے کہہ دیا
زر ہی میں دینے لایا ہوں جان آپ دیجئے



شیخ صاحب دیکھ کر اس مس کو ساکت ہو گئے
ماسٹر صاحب بہت کمزور تھے چپت ہو گئے



نہ کچھ انتظار گزٹ کیجئے
جو افسر کہے بس وہ جھٹ کیجئے
بہت بھاتی ہے اس کی پھرتی مجھے
دعا ہے کہ لڑکی یہ نٹ کی جائے
کہاں کا حلال اور کیسا حرام
جو صاحب کھلائیں وہ چٹ کیجئے
سکھاتے ہیں تقلید انگلش جو آپ
کہیں مفلسوں کو نہ پٹ کیجئے
بگڑ جائے گا میم سے سارا کھیل
بس ان لعتوں پر نہ ہٹ کیجئے
بہت شوق انگریز بننے کا ہے
تو چہرے پہ اپنے گلٹ کیجئے
اجل آئی اکبر گیا وقت بحث
اب افسر کیجئے اور نہ ہٹ اے



نہایت حکمت آگئیں آپ کی یہ ایسیج ہوتی ہے
مزا شربت کا دے جاتی ہے گو وہ بیچ ہوتی ہے



نبض آپ کی ہے ست بدن آپ کا رخ ہے
شاید چلی بیگم سے کسی بات پہ جج ہے
پہنچا میں فلک پر جو نظر تم نے ملائی
شاید کہ میں تکل ہوں نظر آپ کی رخ ہے
اپنے شجر حسن کی وہ خیر منائیں
عشاق کی کثرت ہے کہ یہ فوج طغ ہے
جزیے کو سدھارے ہوئے مدت ہوئی اکبر
البتہ علی گڈھ کی لگی ایک یہ پٹخ ہے



رندی و شراب و بزم شاہد بھی ہے
منطق بھی ہے دلیل طہد بھی ہے
لیکن قربان حکمت پیر مغاں
و مولوی بھی ہیں ایک مسجد بھی ہے



دھن نوکری کی ہے نہ پری ہے نہ حور ہے
اب فکر پاس کی ہے قیامت تو دور ہے
آمین بھی بدلتے ہیں نیت کے ساتھ روز
امید بے اصول سے اب دلِ نفور ہے



دن تو جنات کی خدمت میں بسر ہوتا ہے
رات پریوں کی خوشامد میں گزر جاتی ہے
سلف رسکٹ کا وقت آئے کہاں سے اکبر
دیکھ تو غور سے دنیا کو کدھر جاتی ہے



نوکروں پر جو گزرتی ہے مجھے معلوم ہے
بس کرم کیجئے مجھے بیکار رہنے دیجئے
راہ میں لیسنس ہی کافی ہے عزت کے لیے
بس یہی لے لیجئے تلوار رہنے دیجئے
ڈاکٹر صاحب سے ملنا آپ ۱۱۹ کا اچھا نہیں
بیٹھے گھر میں مجھے بیمار رہنے دیجئے
تیزی سے کا اثر تھا نزع کی آمد نہ تھی
خیر اٹھئے تو بہ استغفار رہنے دیجئے



کامیابی کا سدیشی پر ہر اک در بستہ ہے
چونچ طوطا رام نے کھولی مگر پر بستہ ہے



شو میکری ۱۲۰ شروع جو کی اک عزیز نے
جو سلسلہ ملا تے تھے بہرام گور سے
پوچھا کہ بھائی تم تو تھے تلوار کے دھنی

مورث تمہارے آئے تھے غزنی و غور سے
کہنے لگے ہے اس میں بھی اک بات نوک کی
روٹی ہم اب کاتے ہیں جوتے کے زور سے



موکل چھٹے ان کے پنچے سے جب
تو بس قوم مرحوم کے سر ہوئے
پہیے پکارا کئے پی کہاں
مگر وہ پلیڈر سے لیڈر ہوئے



پردے کے واسطے تو عبث بیقرار ہے
پردہ دروں کا راز تو خود آشکار ہے
آغا تقی میں حسن نہ اب وہ سنگار ہے
پردہ اٹھا کے دیکھو تو کوا گہار ہے



زاہد ایسے بے خبر ہیں ابروئے خم دار سے
جس طرح بابو کو ہے بیگانگت تلوار سے



پریوں کا شوق ہے نہ مجھے فکر حور ہے
کالج سے ہے نجات تو ذکر حضور ہے



باہو صاحب نے کہا اک باغ ہے میرا کلام
اس میں کیا شک ہے مگر یہ باغ شالا مار ہے



سوئے فلک چلے جو غبارے میں بیٹھ کر
منہ حاسدوں کے غصہ و غیرت سے مڑ چلے
احباب نے کہا کہ مبارک ہو یہ عروج
شکر خدا کہ اب تو یہ باہو بھی اڑ چلے



سینہ مس کا ابھار اے دل فساد انگیز ہے
لوگ سچ کہتے ہیں بادِ بادنجان باد انگیز ہے
عدل انگلش من ۱۲۱ سے تو نیند آرہی ہے شیخ کو
باہووں کی شورش البتہ جہاد انگیز ہے
علم کی حد تک عقیدے سب یقیں کے ساتھ ہیں
اس سے آگے کی ہوس صرف اعتقاد انگیز ہے



شیخ جی گھر سے نہ اٹھے اور مجھ سے کہہ دیا
آپ بی بی اے پاس ہیں اور بندہ بی بی پاس ہے



ممکن نہیں اے مس ترا نوٹس نہ لیا جائے
گال ایسے پری زاد ہوں اور کس ۱۲۲ نہ لیا جائے



لندن میں گھڑ جاؤ گے وسواس یہی ہے
تم پاس رہو میرے بڑا پاس یہی ہے



ہر اک رمارک آپ کا عقرب کا نیش ہے
مجھ کو رنج غیر کا سینہ بھی ریش ہے



مجھ سے کہا کہ گوز شتر ہے ترا خن
اس سے یہ کہہ دیا کہ تو گور گنیش ہے



یاروں کو فکر روز جزا کچھ نہیں رہی
بس کام ہے انہیں رہ عیش و نشاط سے
کہتے ہیں حرج کیا ہے جو باریک ہے وہ پل
بائیکل پہ گذریں گے ہم پل صراط سے



خلافت اسی سمت صف بہ صف جاتی ہے
باعود و رباب و چنگ و دف جاتی ہے

ہے نور خدا بھی طالب رزق کا دوست
ڈاڑھی بھی تو پیٹ کی طرف جاتی ہے



کچھ شک نہیں کہ حضرت واعظ ہیں خوب شخص
یہ اور بات ہے کہ ذرا بے وقوف ہیں



اردو کے تین ربع کے مالک ہیں خود ہنود
پھر کیا سبب جو اس سے انہیں انحراف ہے
یعنی ارد ہے چیز انہیں کے مذاق
اردو کے تین جزو بھی صاف صاف ہے



ذوق معنی نہیں تھے اکبر
سن لے یہ بات گر تھے شک ہے
شیخ سے چھوٹے اچھے انجن میں
اس میں بک بک تھی اس میں بھک بھک ہے



ہر چند کہ مجھ کو اعتقاد اب تک ہے
تاہم یہ لحاظ وقت دل میں شک ہے
بیٹھے تو بہت ہی سر جھکا کر ہیں حضور
کیا جانے مراقبہ ہے یا پینک ہے



کی ہے معدے نے کمیٹی پیٹ میں
بائی لا۲۳۱ ہر رگ کے اندر ٹھیک ہے
حضرت نزلہ ہیں صدر انجمن
دم بدم ان کی بھی اک تحریک ہے



تیرے قدموں سے رونق شہر پر آگ ہے
یعنی تیرے ہی دم سے بتوں کا سہاگ ہے
بھڑکی ہے دل کی آگ گوان کے عشق میں
احباب ہنستے ہیں کہ یہ کنڈے کی آگ ہے



سب سمجھتے ہیں کہ یہ عشق بتاں اک روگ ہے
لیکن اس کو کیا کریں ملتا جو موہن بھوگ ہے
شاہد ان مغربی کرتے نہیں مجھ کو قبول
نال دیتے ہیں یہ کہہ کر آپ کالا لوگ ہے



دیکھوں عروں دہر کو کیوں آنکھ کھول کے
بہتر یہی ہے کام نکالوں ٹٹول کے



جو مردہ ہیں وہ پاک ہیں دنیا کے کھیل سے
سچ ہے خبیث ملتے ہیں ایسی چڑیل سے
چہرے کے نیچے تھر ہے ڈاڑھی کا جھول جہاں
اس فرد کو بچانے تفصیل ذیل سے



جب کہا گیسو کا بوسہ دیجئے دل لیجئے
نہس کے بولے آپ کو سودا ہے مسہل لیجئے



دل میں جو پڑ گئی ہے گرہ کھول ڈالئے
اک دم میں کل متاعِ سخن تول ڈالئے
ترکیب ہے ترقیِ اردو کی بس یہ خوب
جو آپ بول سکتے ہیں سب بول ڈالئے



واہ اکبر بس مقیم کول ہو کر رہ گئے
خود فروشی کی نہیں انمول ہو کر رہ گئے
عرض و طول ہند میں تم نے نہ دوڑائے خطوط
دل کشی مرکز میں پائی گول ہو کر رہ گئے



ہم شب وصال وہ بے میل ہو گئے
افسوس انہنس میں ہم فیل ہو گئے

درگاہ کے چراغ کو چھوڑا برائے ایسپ
 سب کی نظر میں گھٹی سے مگر تیل ہو گئے
 بوڑھوں نے پہلے لڑکوں کو خود ہی بنایا کھیل
 ان کی نظر میں آپ ہی اب کھیل ہو گئے
 اے شیخ جب تکیل نہیں دست قوم میں
 پھر کیا خوشی جو اونٹ ترے ریل ہو گئے
 ہم بھی تکیل کرنے لگے گائے کی طرح
 اس ملک میں بھی حضرت گو کھیل ہو گئے



میں نے جو کہا کل انتظام آپ کا ہے
 ہے فائدہ آپ کا یہ کام آپ کا ہے
 کہنے لگے مسکرا کے یہ سب ہے صحیح!
 لیکن خوش ہو جائے کہ نام آپ کا ہے



مذہب جس کی نظر سے بالکل گم ہے
 کیوں کر میں کہوں وہ داخل مردم ہے
 شائستہ جو ہو تو اس کو پونی سمجھو
 ایسا جو نہ ہو تو اک حربے دم ہے



آئندہ اردو زبان کے نمونے

باپو جی کا وہ بت ہوا نوکر
غیر اس کو پیام دیتا ہے
باپو کہتے ہیں وہ نہ جائے گا
میرے انڈر ۱۲۴ میں کام دیتا ہے



واسطہ کم ہو گیا اسلام کے قانون سے
دب گئی آخر مسلمانی مری پتلون سے



اب کہاں تک بتکدے میں صرف ایماں کیجئے
تا کجا عشق بتاں میں ست پیماں کیجئے
ہے یہی بہتر علی گڈھ جا کے سید سے کہو
مجھ سے چندہ لیجئے مجھ کو مسلمان کیجئے



جب اگلا کورس خارج ہو گیا تعلیم طلباں سے
تو اب اعراض ہم کیوں کر کریں تعلیم نسواں سے



ان کو کیا کام ہے مروت سے
اپنے رخ سے یہ منہ نہ موڑیں گے
جان شاید فرشتے چھوڑ بھی دیں
ڈاکٹر نفیس کو نہ چھوڑیں گے



اس اکھاڑے میں اڑنگے دیکھ کر قانون کے
شیخ نے تہد سے ہجرت کی طرف پتلون کے



نہیں کچھ گفتگو اس میں یقیناً شیر ہیں حضرت
بس اتنی بحث باقی ہے یہ بھینسا ہے کہ انجن ہے
چمک تیغوں کی ہاتھوں کی صفائی واہ کیا کہنا
مگر یہ دیکھ لو گٹھار بر کا ہے کہ گردن ہے
مدار کار جب ہو اتفاق و عقل و حکمت پر
تو اس سے جو کرے غفلت وہ اپنا آپ دشمن ہے



راہ تو مجھ کو بتا دی خطر نے
اونٹ کا لیکن کرایہ کون دے



اب تو جاگو ایشیائی بھائیو
نیند میں غفلت کی صدیوں سو لئے
ہو مبارک جستجو خطر انہیں
ہم تو اب انجن کے پیچھے ہو لئے
اب تھینٹر میں نہیں گئے جا کے خوب
خانقاہوں میں تو برسوں رو لئے



ہوتا ہے نفع یورپین نان پاؤ سے
میں خوش ہوں ایشیا کے خیالی پلاؤ سے
ایمان بیچتے پہ ہیں اب سب تلے ہوئے
لیکن خرید ہو جو علی گڑھ کی بھاؤ سے
دھمکا کے بوسہ لوں گا رخ رشک ماہ کا
چندہ وصول ہوتا ہے صاحب دباؤ سے



چٹھی اس مس کی ہے کہ یہ جادو ہے
دل جوشِ مفاخرت سے بے قابو ہے
ایسی پری اور مجھ کو پیارا لکھے!
القاب میں دیکھئے ڈیرے کلو ہے



ہندی مسلم میں ہند کی نیو بھی ہے
افطار میں ہے کھجور تو سیو بھی ہے
اللہ اللہ ہے زباں پر بے شک
لیکن اک رنگ بم مہادیو بھی ہے



برا ہوا کہ رقیبوں میں بڑھ گئے بابو
ذرا سی بات ہوئی اور یہ سوئے تھا نہ چلے



حریص زر کی میت پر یہ بولا طالب قوت
جو مل جائے تو اس کو کھاؤں یہ سونے کا کشتہ ہے



ہیں لیمپ عزیز شمع بیگانہ ہے
جلتا ہے چراغ سے جو فرزانہ ہے
سب کی ہے مسوں کے روئے روشن پہ نگاہ
جو ہے نئی روشنی کا پروانہ ہے



عبث ان کا گلہ ہے مستغیثہ بولتی کیوں ہے
کوئی پوچھے تو ناحق تم نے ڈالی اولتی کیوں ہے



آپ کی انجمن کی ہے کیا بات
آہ چھپتی ہے واہ چھپتی ہے
حکمتوں سے ہوئی ہے جزو شکم
روح بھی اب تو کورس چھپتی ہے



اس غرض سے کہ سینہ پوش نہ ہو
شیخ کی ریش روز نپتی ہے

پائے خامہ ٹھہر نہیں سکتا
کس قدر یہ زمین تپتی ہے



جو عقل کھری تھی کی وہ کھوٹی اس نے
اچھے اچھوں سے چھینی روٹی اس نے
مستوں پہ شراب فاقہ مستی لائی
پتلون کو کر دیا لنگوٹی اس نے



کہا جو میں نے کہ ان کی ادا انوکھی ہے
کہا بتوں نے کہ اردو میاں کی چوکھی ہے



نکتہ یہ سنا ہے ایک بنگالی سے
کرنا ہو بسر جو تم کو خوش حالی سے
خالی ہو جگہ تو اپنے بھائی کو دلاؤ
غصہ آئے تو کام لو گالی سے



ان کی تحریکوں سے یوں رہتی ہے دنیا بے چین!
جس طرح پیٹ میں بیمار کے ہائی دوڑے
ممبری کے لیے لپکا مری جانب وہ غول
گائے موٹی نظر آئی تو قصائی دوڑے



مار و کڑ دم رہ گئے کیڑے ملوڑے رہ گئے
صورتیں تو ہیں مگر انسان تھوڑے رہ گئے
خضر عنقا ہو گئے موڑی بنے ہیں سد راہ
گر گئے سنگ نشاں سڑکوں پہ روڑے رہ گئے
پردہ در کی رائے سن کر بیاباں کہنے لگیں
اب ہمارے وارث ایسے ہی گلوڑے رہ گئے



شیخ صاحب چل بسے کالج کے لوگ ابھرے ہیں اب
اونٹ رخصت ہو گئے پولو کے گھوڑے رہ گئے



جو وقت ختمہ میں چیخا تو مائی نے کہا ہنس کر
مسلمانی میں طاقت خون ہی بنے سے آتی ہے



عاشقی کا ہو برا اس نے بگاڑے سارے کام
ہم تو اے بی میں رہے اغیار بی اے ہو گئے



پردہ کا مخالف جو سنا بول اٹھیں بیگم
اللہ کی مار اس پہ علی گڑھ کے حوالے



کھائی مرگان و نظر کی جو قسم بولا وہ شوخ
آپ اب قسمیں بھی کھاتے ہیں چھری کانٹے سے



دیکھ لو حال مرا آہ کی حاجت کیا ہے
دو اور اک تین پہ واللہ کی حاجت کیا ہے
پیچھے انجن کے بس اب ہولیں مسلمان بھائی
اب انہیں خطر کی اور راہ کی حاجت کیا ہے
داد قرآن کی نہ دو بھائی عمل اس پہ کرو
پیش در گاہ خدا واہ کی حاجت کیا ہے



ناک رگڑی برسوں اس ارمان میں
سن لیں میری بات اک دن کان میں



قصہ منصور سن کر بول اٹھی وہ شوخ مس
کیسا ۱۲۵ احمق لوگ تھا پاگل کو پھانسی کیوں دیا
کاش اے اکبر وہی حالت مجھے بھی پیش آئے
اور یہ کافر پکارے در پناہ من بیا



کہتے ہیں اکبر یہ تیری عقل کا کیا پھیر ہے
طبع تیری اس نئی تہذیب سے کیوں سیر ہے
عرض کرتا ہوں کہ میں بھی حاضر ہوں گا عنقریب
ہو چکا ہوں پیر بس نابالغی کی دیر ہے



ماتا نہیں گھی تو شک روٹی ہی سہی
نعمت جو بڑی نہیں تو چھوٹی ہی سہی
میں قوم کی فرہی کا مشتاق نہیں
بس جائیے میری عقل موٹی ہی سہی



نفرت تھی مجھ کو بے شک مجھ کے بولنے سے
کہتا تھا اپنے دل میں بے چارہ کیا برا ہے
آخر کھلا یہ عقد نفرت کا مجھ کو اکبر
آواز بے تکی ہے کم بخت بے سرا ہے



چند ذرے کیسا سے رنگ کی پڑیا بنے
شیخ صاحب ہوش نہ بھی کھو بیٹھے اور گڑیا بنے



مغربی کل نے مجھ کو پیسا ہے
میرا چونا ہے اور کلیسا ہے

آپ ہی گا کے جھوم لیتے ہیں
باربد ہے نہ اب نکلیا ہے



نکالا شیخ کو مجلس سے اس نے یہ کہہ کر
یہ بے وقوف ہے مرنے کا ذکر کرتا ہے



تم ناک چڑھاتے ہو مری بات پہ اے شیخ
کھینچوں گا کسی روز میں اب کان تمہارے



عادت جو پڑی ہو ہمیشہ سے وہ دور بھلا کب ہوتی ہے
رکھی ہے چنوٹی پاکٹ میں پتلون کے نیچے دھوتی ہے



نہ تو انگریز بنے ہم نہ مسلمان رہے
عمر سب مفت میں کھویا کئے نادان رہے
طاقت اسام کی کہتی تھی مسلمانوں سے
جب میں جانوں کہ مرے بعد مرا دھیان رہے
ان کی سب سنتے ہیں اپنی نہیں کہہ سکتے کچھ
کیا قیامت ہے زباں کٹ گئی اور کان رہے
تھی بہت ان کو مسلمانوں کی تہذیب کی فکر
بولے مسجد کے تلے مے کا بھی سامان رہے

راحتِ جاں ہے تری نظمِ دل آویز اکبر
تندرستی رہے ایمان رہے جان رہے



ہم تو کالج کی طرف جاتے ہیں اے مولویو
کس کو سونپیں تمہیں اللہ نگہبان رہے



انگریز میں عظمت جہاں بانی ہے
ہم میں اک شانِ علمِ روحانی ہے
لیکن تم لوگ تو کسی میں بھی نہیں
بازو نہ قوی نہ قلبِ نورانی ہے

تین غزلیں ۱۲۶



وہ حجابِ ان کا آج تک نہ گیا
نہ گیا ان کے دل سے شک نہ گیا
اک جھلکِ ان کی دکھ لی تھی کبھی
وہ اثرِ دل سے آج تک نہ گیا
کیا ٹھہرتا ہمارے آگے غیر
دیکھے آخرش کھسک نہ گیا



حسن نے ہاز کئے عشق کی تکمیل ہوئی
 نہ نظر آپ کی سمجھی نہ مرا دل سمجھا
 آپ دیکھیں مجھے اور میں نہ کروں یاد خدا
 موت سے آپ نے ایسا مجھے غافل سمجھاۛۛ



اب شغل زندگی کے ہیں قانون ہی کچھ اور
 کیسی غزل یہاں تو ہے مضمون ہی کچھ اور
 وہ جادوئے سخن ہے نہ وہ رنگ انجمن
 تہذیب مغربی کے ہیں افسوں ہی کچھ اور

کچھ اور کلام ۱۲۸



فخر یہ میں نے جو اشعار پڑھے سعدی کے
 فخر یہ آپ سنانے لگے نظم ملٹن
 شیخ سعدی تو بزرگوں میں مرے تھے اے دوست
 آپ کے کون تھے ملٹن یہ سنو حضرت من



بولے جاڑوں میں لالہ گنگا دیں
 دھوپ سے مجھ کو ہوتی ہے تسکین
 ڈاڑھی سورج کی تھام لیتا ہوں
 مدعا یہ کہ گھام لیتا ہوں



مذہب نے پکارا اے اکبر اللہ نہیں تو کچھ بھی نہیں
 یاروں نے کہا یہ قول غلط تنخواہ نہیں تو کچھ بھی نہیں
 ہر بات پہ تم قسمیں کھانا جب یاد کریں راجہ صاحب
 دربار اودھ میں اے اکبر اللہ نہیں تو کچھ بھی نہیں
 ملنے کا کسی سے ہے یہ مزا ایک جوش طبیعت ہو پیدا
 اس بزم میں میرے پہونچنے پر اٹھ نہیں تو کچھ بھی نہیں



تھا تصور مالک آزادی زندانہ ہوں
 لیکن اب بالکل اسیر انتظام خانہ ہوں
 پہلے تھے اس بت کے گرداب ساتھ ہی بچوں کی فوج
 عشق میں دیوانہ تھا اب فکر میں دیوانہ ہوں



ہم ایسی کل کتابیں قابل ضبطی سمجھتے ہیں
 کہ جن کو پڑھ کے لڑکے باپ کو خمبہ سمجھتے ہیں



مذہب نے کہا کہ جان سے عاری ہیں
 آپس ہی کے لوگ باعث خواری
 دیا قزاق تھے ہوئے ہیں اب اسیر
 انہوں ہی میں کچھ گواہ سرکاری ہیں

☆☆﴿۷﴾☆☆

ان ہیں اس زمانے میں ہم جی کے کیا کریں
جائز سہی شراب مگر پی کے کیا کریں
ہم اونچے درجہ کی ہوتی نہیں نصیب
پھر گھر میں بیٹھ کر بجز اے بی کے کیا کریں

☆☆﴿۸﴾☆☆

شیخ کی وہ دھج نہیں وہ شیخ کی ڈاڑھی نہیں
دوستی مذہب سے ہے پر اس قدر گاڑھی نہیں

☆☆﴿۹﴾☆☆

اکبر مجھے شک نہیں تیری تیزی میں
اور تیرے بیان کی دلاویزی میں
شیطان عربی سے ہند میں ہے بخوف
لاحول کا ترجمہ کر انگریزی میں

☆☆﴿۱۰﴾☆☆

ہیں عمل اچھے مگر دروازہ جنت ہے بند
کر چکے ہیں پاس لیکن نوکری ملتی نہیں

☆☆﴿۱۱﴾☆☆

گورنمنٹ کی خیر یارو مناؤ
گلے میں جو اتریں وہ تانیں اڑاؤ

کہاں ایسی آزادیاں تھیں میسر
انا الحق کہو اور پھانسی نہ پاؤ

☆☆﴿۱۲﴾☆☆

شیخ اس درجہ اماڑی ہے جو گھوڑے پہ چڑھے
باگ گردن میں رکاب آکے پھنسی ران میں ہو
لات دنیا پر نہ مارو ابھی اے حضرت شیخ
بیٹھکیں کر لو ذرا زور تو کچھ ران میں ہو

☆☆﴿۱۳﴾☆☆

شوق لیائے سول سروں نے مجھ مجنوں کو
اتنا دوڑایا لنگوٹی کر دیا پتلون کو
جامہ ہستی کے نکلے اڑ رہے ہیں نزع میں
پھینکے اب کوٹ کو تہ کیجئے پتلون کو

☆☆﴿۱۴﴾☆☆

دقیانوی طریق سے منہ موڑو
شیرازہ مذہبی نعت کا توڑو
بھوکے سے کہو کہ حد تہذیب میں رہ
آنتوں سے کہو کہ قل ہو اللہ چھوڑو

☆☆﴿۱۵﴾☆☆

فقط مذہب سے تم میں عزت و وقعت کی ہے یہ بو
وگر نہ اور کیا نسبت کجا ولیم کجا کلمہ

☆☆﴿۱۶﴾☆☆

بے ہنر ہو کر جو ٹیٹھو طعنہ حالی سنو
با ہنر ہو کر جو چمکو قوم سے گالی سنو
ہم کو تو پیر طریقت نے یہی دی ہے صلاح
قصہ منصور دیکھو اور قوالی سنو

☆☆﴿۱۷﴾☆☆

اونٹ نے گالیوں کی ضد پر شیر کو سا جھی کیا
پھر تو مینڈک سے بھی بدتر سب نے پایا اونٹ
جس پہ رکھا چاہتے ہو باقی اپنی دسترس
منہ میں ہاتھی کے کبھی اے بھائی

☆☆﴿۱۸﴾☆☆

تکلفات سے اللہ اپنا سر نہ پھراؤ
جو دال روٹی ہو موجود وقت پر وہ کھلاؤ
مجھے بھی چکھو گے کیا رکھ کے خوانِ نعمت پر
کباب کرتا ہے اب مجھ کو انتظار پلاؤ

☆☆﴿۱۹﴾☆☆

نیکی کے حق میں کج ادائی نہ کرو
اللہ کے ساتھ بے وفائی نہ کرو
نیو بھی رہو گے مرو گے بھی ضرور
کہتا ہوں کہ دعویِٰ خدائی نہ کرو

☆☆☆﴿۲۰﴾☆☆☆

صاحب سے اذن لے کے کروں گا میں عشق چشم
لینس ہے ضرور ہرن کے شکار کو

☆☆☆﴿۲۱﴾☆☆☆

جب پڑی قوی مصیبت تو کسی نے کیا کیا
سب ہوئے اندوہیں خون جگر سب نے پیا
ہاں جو شاعر تھے انہوں نے نالہ موزوں کے ساتھ
داغ دل کو آسمانِ اعظم پر چمکا دیا

☆☆☆﴿۲۲﴾☆☆☆

پیتا ہوں شراب آب زمزم کے ساتھ
رکھتا ہے اک اونٹنی بھی ٹم ٹم کے ساتھ
ہے عشق حقیقی اور مجازی دونوں
قوال کی بھی صدا ہے چھم چھم کے ساتھ

☆☆☆﴿۲۳﴾☆☆☆

قوم سے مے کی سفارش کیا کروں
نیک کو شیطان کر دیتی ہے یہ
ایک جوہر ہے فقط اس میں مفید
خود کشی آسان کر دیتی ہے یہ

حواشی

۱

☆

صرف مصرع اول حضرت اکبر کا ہے، ۲۰ سال کے تھے جب امتحان لیا گیا تھا۔

۲

☆

مصرع طرح

۳

☆

ایک پروانہ لپ کے گرد ناچ رہا تھا (۱۸۷۲ء)

۴

☆

صوفیوں کے ایک طریقہ ذکر کا نام ہے

۵

☆

بحذف نون آخریں۔ بطریق شاذ جیسا کہ زمیں سے زمی ۱۲۔

۶

☆

ایک مشہور انگریزی شاعر

۷

☆

اب متروک ہے ۱۲

۸

☆

یعنی دنیا کے دھندے۔

۹

☆

ضمیر مذکر غائب He

۱۰

☆

ضمیر مؤنث غائب She

۱۱

☆

یہ لفظ آخری ہے ضرورت قافیہ کے لیے نون گرایا گیا ہے جیسے زمیں سے زمی

۱۲

☆

انگریزی میں بجلی پیدا کرنے کے آلہ کو کہتے ہیں

۱۳

☆

اشارہ ہے ”کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ“ کی طرف

۱۴

☆

ایک انگریز مورخ کہتا ہے کہ یہ مسئلہ ڈارون کی سمجھ میں نہیں آیا۔

۱۵

☆

عالی جناب شیخ احمد حسین صاحب خان بہادر تعلقہ دار پریا نواں

۱۶

☆

Come All

۱۷

☆

Fame شہرت

۱۸

☆

Aim مقصود

۱۹

☆

منسکرت کا ایک بڑا مصنف ہے۔

۲۰

☆

دو اے مقوی کو ٹانگ کہتے ہیں

۲۱

☆

یہ بصیرت جمع چاہیے

۲۲

☆

جست

۲۳

☆

خیر خواہی

۲۴

☆

اس زمانہ کے گورنر یوپی کا نام ہے

۲۵

☆

اگرچہ اختلاف حرکت قافیہ اساتذہ کے یہاں ہے مگر یہاں میں سرسید سے قافیہ نہیں
ملاسکا

۲۶

☆

یہ قطعہ ۷۷۷ء میں لکھا گیا تھا

۲۷

☆

اصل کھو گئی لڑکوں کی غلط فہموں کے بعد اجزا بہم پہنچے ان سے یہ نقل لکھی گئی۔ ۲۶
دسمبر ۱۸۹۱ء۔ اکبر

۲۸

☆

سید صاحب نے اسٹیٹیوٹ گزٹ میں نظم مندرجہ بالا کی تعریف چھاپی ہے۔

۲۹

☆

Matter

۳۰

☆

نجات

۳۱

☆

ایڈیٹر اخبار البشیر نے لکھا تھا۔ کہ مسلمان پروفیسر مقرر ہو۔

۳۲

☆

مطلب یہ کہ ہم کیوں نہ پتنگ اور کاری وغیرہ نعمتیں ہوٹل میں کھائیں۔

۳۳

☆

Leap, Skip, Jump سب کے معنی کود پھاند کے ہیں

۳۴

☆

حال کی تحقیق و تصنیف علمائے یورپ بالخصوص انسان کے باب میں لایق ملاحظہ ہے جس میں ڈارون کی غلطی بیان کی گئی ہے (مصنف)

۳۵

☆

قوم

۳۶

☆

چرخ

۳۷

☆

طائر

۳۸

☆

لفظ

۳۹

☆

مولانا محمد حسین صاحب الہ آبادی ۱۹۰۴ء میں حضرت نے حالت وجود میں انتقال فرمایا تھا

۴۰

☆

مولانا محمد حسین آلہ آبادی

۴۱

☆

یہ سید جلال الدین حلوانی ایڈیٹر جبل المتین کے نام دعوت نامہ ہے۔

۴۲

☆

سید عشرت حسین سے خطاب ہے

۴۳

☆

۱۹۰۵ء میں مصنف کو باری سے پتہ آئی تھی

۴۴

☆

یہ قطعہ ڈاکٹر سلیمان جونپوری بیرسٹریٹ لاء کے متعلق ہے جو آخر میں سر سلیمان
تھے۔

۴۵

☆

آگرہ سے تبدیلی کے وقت

۴۶

☆

عشرت حسین سے خطاب ہے۔

۴۷

☆

میں نے قصداً اصلی تلفظ سے رجوع کیا ہے۔

۴۸

☆

سید عشرت حسین

۵۹

☆

بتحقیق یا

۵۰

☆

سید عشرت حسین

۵۱

☆

سید عشرت حسین

۵۲

☆

حضرت مولانا شاہ محمد حسین صاحب

۵۳

☆

مولوی برکت اللہ صاحب رئیس غازی پور

۵۴

☆

سراسر حسن خاں صاحب مدارالہمام ریاست بھوپال

۵۵

☆

خان بہادر عبدالحمید خاں صاحب مرحوم

۵۶

☆

سید عشرت حسین

۵۷

☆

دے نام ماہ فارسی

۵۸

☆

بمعنی غبارہ

۵۹

☆

نقل اتارنا Imitation

۶۰

☆

مخالفتہ جوش Agitation

۶۱

☆

عمداً بلما کے ساتھ قافیہ ملایا گیا ہے

۶۲

☆

یعنی مسزانی، سنٹ صلیب

۶۳

☆

قوم Nation

۶۴

☆

نقل Imitation

۶۵

☆

یعنی رقیبوں کے

۶۶

☆

ہمیں ٹوٹنے لگے

۶۷

☆

محسن الملک نواب مہدی علی

۶۸

☆

سید عشرت حسین فرزندہ حضرت اکبر

۶۹

☆

سابق پرنسپل علی گڑھ کالج

۷۰

☆

Relation بمعنی رشتہ

۷۱

☆

Convocation

۷۲

☆

Nation ہے

۷۳

☆

Agitation یعنی مخالفت پر جوش

۷۴

☆

Terse (لطیف)

۷۵

☆

Witty (ظریف)

۷۶

☆

Originality (جدت)

۷۷

☆

دوسرے مصرعے کے قافیے کے لیے طبع آزمائی ہوئی تھی

۷۸

☆

ذمہ دار

۷۹

☆

دونوں مغربی نڈا سفر تھے

۸۰

☆

انگریزی اکئی

۸۱

☆

انگریزی پیسے

۸۲

☆

عالی جانب مولوی کرامت حسین صاحب بیرسٹرایٹ لاء حال نج ہائی کورٹ الہ آباد

۸۳

☆

رئیس جائیس ملک اودھ وکیل الہ آباد

۸۴

☆

No

۸۵

☆

Yes

۸۶

☆

بالا ارادہ اصلی لفظ سے تجاوز کیا گیا

۸۷

☆

Small چھوٹا

۸۸

☆

Great بڑا

۸۹

☆

Graduate

۹۰

☆

عدد سے مراد نہیں ہے لفظ ہے ہے اور یہ لفظ تحصیل سے متعلق ہے۔

۹۱

☆

تاش ازالہ حیثیت عرفی

۹۲

☆

ٹیولا

۹۳

☆

جب معشوق پیش نظر ہو وصل کے یہی معنی ہیں

۹۴

☆

سبحان اللہ

۹۵

☆

یہ مصرع اظہار وزن کے لیے ہے قافیہ نہیں

۹۶

☆

Girl لڑکی

۹۷

☆

Duke

۹۸

☆

Earl

۹۹

☆

Ruby لعل

۱۰۰

☆

Pearl موتی

۱۰۱

☆

انجیل مقدس

۱۰۲

☆

انگریزی شورا

۱۰۳

☆

انگریزی کباب

۱۰۴

☆

Banks

۱۰۵

☆

Thanks

۱۰۶

☆

انگریزی حساب کالج میں جس کی تعلیم ہوتی ہے

۱۰۷



Give me kiss dear یعنی پیاری مجھ کو بوسہ دو

۱۰۸



You may take یعنی آپ لے سکتے ہیں

۱۰۹



Gelding

۱۱۰



Stallion

۱۱۱



سعی کی کوشش

۱۱۲



طاقت

۱۱۳



یعنی عربی و فارسی کے الفاظ داخل کر دیئے گئے۔

۱۱۴



Tea چائے

۱۱۵

☆

Piety تقدس

۱۱۶

☆

کانگریس

۱۱۷

☆

کانفرنس

۱۱۸

☆

If - اگر

۱۱۹

☆

But لیکن

۱۲۰

☆

مغربی زعبہ

۱۲۱

☆

جوتا بنانے کا کام

۱۲۲

☆

Englishman

۱۲۳

☆

Kiss

☆ ۱۲۴

قواعد

☆ ۱۲۵

تحت

☆ ۱۲۶

نقل کفر کفر نہ باشد

☆ ۱۲۷

یہ غزلیں دو رسوم میں درج ہونی چاہیے تھیں۔ نقل کرنے والوں نے نقل نہیں کیں۔ چونکہ کلیات اکبر بازار میں نمایاں ہے آنرہیل چودھری احمد خاں صاحب سے۔ اور ایک اور صاحب سے جلد میں مستعار لی گئیں اور انہیں نقل کرایا گیا۔ نقل کرنے والوں ہی کی مدد سے نقلوں کا اصل سے مقابلہ کیا تھا۔ انہوں نے اپنی غلطی کو نہیں بتایا۔ اب پروف پڑھیے وقت میں نے مطبوعہ کلیات سامنے رکھ کر ایک ایک شعر کو بالکل تہما ملایا۔ تو غزلیں نظر آئیں۔ (مرتب)

☆ ۱۲۸

یہ پوری غزل نہیں ہے۔ ایک غزل کے دو شعر ہیں۔ صرف دو شعر رہ گئے تھے غزل کے باقی اشعار درج ہو چکے ہیں۔

☆ ۱۲۹

یہ بھی نقل نہیں ہوا تھا۔ افسوس ہے کہ صفحہ ۴۳۷ سے ترتیب صحیح نہیں رہی۔ بہر حال جلد اول کا ایک ایک شعر جلد اول سے لیا گیا ہے۔

The End-----اختتام-----